فہرست مضمون نگاران معارف

(جلد یازدہم جنوری سنہ ۱۹۲۳ء، جون سنہ ۱۹۲۳ء)

بہ ترتیب حروف تہجی

نمبر شمار	اسمائے گرامی	صفحہ	نمبر شمار	اسمائے گرامی	صفحہ
	جناب آزاد	۳۴۵	۱۴	مولوی محفوظ الحق صاحب ایم اے	۳۶۴
	مولوی ابو الجلال صاحب ندوی	۳۱۳	۱۵	مولوی معین الدین صاحب انصاری	۳۹۶
۳	مولوی ابو الحسنات صاحب ندوی	۲۴۵، ۵۵	۱۶	مولوی سید مقبول احمد صاحب	۴۶۵
۴	مولوی ابو نصر سید احمد صاحب	۱۹۸	۱۷	سید نجیب اشرف صاحب ندوی	۲۷، ۱۵۹، ۶۴-۶۱
	مولانا راغب صاحب جیلانی	۱۰۰			۱۳۵، ۱۲۸، ۱۴۸-۲۰۲، ۱۸۰، ۲۱۸، ۲۲۰، ۲۳۱، ۲۴۲، ۲۹۹، ۳۰۰
	مولوی سعید صاحب انصاری	۴۵			۳۰۲-۹، ۳۷۶، ۳۸۳-۹۰، ۴۱۵، ۴۴۵، ۴۴۹، ۶۱-۴۵۴
	مولوی سید حسن صاحب برنی بی اے	۱۲۱	۱۸	پروفیسر نصیر احمد صاحب بی ایس سی	۲۷۵
	مولانا سید سلیمان صاحب ندوی	۶-۲۹، ۶۴، ۸۲	۱۹	پروفیسر نکلسن	۴۰۴
	۱۲۹، ۱۶۱، ۲۳۵، ۲۳۰، ۲۴۲، ۲۸۲، ۳۳۲، ۳۸۰، ۴۲۸، ۴۰۲، ۴۰۰		۲۰	مولوی رباج الدین [illegible] بی اے	۳۵۵، ۴۲۳، ۲۱۳، ۲۸۹
	ڈاکٹر محمد شفیع صاحب پی ایچ ڈی	۳۹۵		**شعراء**	
	صاحبزادہ ظفر حسن خانصاحب	۳۳۷	۱	مولوی اقبال احمد صاحب سہیل ایم اے ایل ایل بی	۱۵۱
	مولانا عبد الحی صاحب مرحوم	۱۰	۲	جناب سجاد انصاری صاحب بی اے	۳۹۱
	مولانا عبد السلام صاحب ندوی	۸۰، ۱۶۹، ۲۹۳	۳	جناب شبیر حسن صاحب جوش	۷۳
	قاضی عبد الودود صاحب بی اے	۱۵۲	۴	خان بہادر سید علی محمد خانصاحب شاد	۳۳۲، ۲۴۴

نمبر شمار	اسماء گرامی	صفحہ	نمبر شمار	اسماء گرامی	صفحہ
۵	مولوی فضل الحسن صاحب حسرت موہانی،	۳۴۳،۳۲۰،۳۲۴،۳۴۹	۸	پروفیسر مولوی سید وحید الدین صاحب سلیم	۳۱۰
۶	مولوی محمد محوی صاحب صدیقی،	۳۹۳	۹	مرزا ہادی صاحب عزیز لکھنوی	۳۴۴
۷	پروفیسر نواب علی صاحب ایم اے	۳۱۲			

فہرست مضامین

جلد یازدہم جنوری سنہ ۱۹۲۳ء جون سنہ ۱۹۲۳ء

مجلد یازدہم | ماہ جمادی الاول ۱۳۴۱ھ مطابق ماہ جنوری ۱۹۲۳ء | عدد اول

مضامین

تصحیح

معارف کے گذشتہ پرچہ میں دیوان طالب پر مضمون مولنا شیروانی کا شایع ہوا ہی، اس کے صفحہ ۴۴۲، سطر ۱۳ میں "تراقمہ" کی جگہ غلطی سے "سراقمہ" چھپ گیا ہی، ناظرین تصحیح کر لیں، معارف کی غلطیاں ہمیں سخت تکلیف دیتی ہیں مگر یہ مرض لاعلاج ہی، اڈیٹر،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شذرات

امسال ہماری قومی مجلسیں شہر گیا میں منعقد ہوئیں، اور کانگریس کے چبوترے پر سب سے پہلی دفعہ اتحاد ایشیا اور ہندو مسلم عہدنامہ کی تجویزیں معرض بیان میں آئیں، اگر یہ تجویزیں واقعی مرتب ہو کر عمل میں آجائیں تو اس سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ اسلامی نقطۂ نظر سے اس ملک کی مذہبی حیثیت بدل جائیگی اور "دار الحرب" کا لفظ، ہندوستان کے اوصاف کی فہرست میں سے تاقیام معاہدہ قطعی طور سے خارج ہوجائیگا اور دیگر احکام فقہیہ پر بھی اس کا ایک خاص اثر پڑیگا،

گیا کے مقام اجلاس سے قریب بودھ کا سب سے بڑا اور مقدس ترین معبد واقع تھا، ہندو مسلم اتحاد کے طلبگاروں میں سے سینکڑوں نے جاکر اس کی سیر کی ہوگی، مگر کسی کو یہ بھی معلوم ہوا کہ اس معبد کے کاغذی خزانہ میں ہندو مسلم رشتۂ اتحاد کا سب سے بڑا انمول موتی رکھا ہے یعنی "متعصب ہندوکش" عالمگیر کی سند جاگیر جو اس نے اس غیر اسلامی معبد کو عطا کی تھی اور جس کی بدولت اس مندر کے مصارف روزینہ کا سامان ہے

گذشتہ دسمبر میں سب سے پہلی دفعہ ہماری قرطبہ اور غرناطہ کی درسگاہوں کو دوبارہ زندہ کرنے والی **مسلم یونیورسٹی** کا جلسۂ تقسیم اسناد منعقد ہوا، سر سید اور محسن الملک کے عہد کے بعد سے ایسٹریچی ہال نے یہ دلفریب نظارہ نہیں دیکھا تھا جو ۲۸ دسمبر کو اس کی نگاہوں کے سامنے گذرا، "سوٹ پوش معززین اسلام" کی اتنی عظیم الشان نمائش تین سال سے دیکھتے ہیں نہیں آئی تھی، سو اس جلسہ میں الحمد للہ کہ دیکھ لی گئی، تقسیم اسناد کے تمام مراسم میں صرف ہر ہائینس سرکار عالیہ بھوپال کا حسنِ عمل لائق ستائش تھا، ان کی تقریر کی دعوت عمل و اصلاح کی آواز ممکن ہے کہ یونیورسٹی کے حکام پر گراں گذری ہو، مگر جو لوگ کہ یونیورسٹی کو یونیورسٹی دیکھنا چاہتے ہیں وہ حرف حرف اس سے اتفاق کرینگے،

مراسم تقسیم اسناد کا ایک دلکش منظر یہ تھا کہ چانسلر (سرکار عالیہ بھوپال) اور وائس چانسلر (راجہ صاحب محمود آباد) دونوں نے اسناد کی تقسیم کے وقت عربی فقرے استعمال کئے، جو کاغذ پر لکھے اور چھپے ہوئے موجود تھے، تاہم اس حیرت کی کوئی انتہا ہو سکتی ہے کہ تمام حاضرین نے بلا استثنا، ایک "عورت" کی صحت تلفظ اور اعراب کو ایک "مرد" کے مقابلہ میں بہتر اور لائق تعریف پایا،

ہماری یونیورسٹی اپنے عطائے خطاب کے اختیارات کو سب سے پہلی بار اس دفعہ کام میں لائی، یہ آئندہ چلکر ہماری جدید تعلیمی تاریخ کا سب سے اہم واقعہ ہوگا کہ اس یونیورسٹی کے علمی خطاب یافتوں میں سر فہرست کس خوش قسمت کا نام ہے، لوگ بیقرارانہ پوچھینگے کیا وہ کوئی اس عہد کا بڑا عالم، بڑا مصنف، بڑا شاعر، بڑا انشا پرداز یا بڑا تعلیمی ماہر تھا؟ جواب ملیگا نہیں؛ وہ صرف ایک ایسے بیرسٹر کو ملا جو اتفاق سے اس وقت وزیر تعلیم تھا، اور بس! حقیقت یہ ہے کہ اس تاریخی اہمیت کو مد نظر رکھکر علی گڈھ کے حلقۂ علم اور ادارۂ تعلیم میں اگر کوئی موزوں تن اس خطاب کے لئے ہو سکتا تھا، تو وہ علمی حیثیت سے مولوی عبد الحق صاحب (ناظم ترقی اردو) اور تعلیمی کوششوں کے لحاظ سے صاحبزادہ آفتاب احمد خان! ہم نے اپنی یونیورسٹی کے اس طرز عمل کے متعلق دیوان غالب میں فال دیکھی تو یہ جواب ملا،

غالب سوختہ جاں راچہ بگفتار آری　　بدیارے کہ ندانند نظیری ز قتیل[دیدہ]

ایجوکیشنل کانفرنس نے امسال اپنی سالگرہ اپنے وطنِ خاص، علی گڈھ میں منائی، میاں فضل حسین

صاحب وزیر تعلیمات پنجاب صدر تھے، ان کا خطبۂ صدارتی بجائے خود، فلسفہ، تاریخ، سیاست اور تعلیم سب پر لکھا تھا، اور ان میں سے ہر قسم کے جلسہ میں وہ پڑھا جاسکتا تھا، ان کے موجودہ ہمعصرون کو دیکھتے ہوئے انکا یہ خیال ان کی بیحد اخلاقی جرأت کو ظاہر کرتا ہے کہ انھون نے ایک سرکاری وزیر تعلیم ہو کر قوم کو متنبہ کیا کہ سرکاری تعلیمگاہیں، ہماری قومی و مذہبی اغراض کے سراسر منافی ہیں،

اس مہینہ دار العلوم ندوۃ العلماء کی زیارت کو جبلپور سے ایک سب جج صاحب آئے تھے، جو "شمس العلماء" کے خطاب سے مخاطب ہیں، انھوں نے مدرسۂ مذکور کی حالت زار پر بعض اخبارات میں اپنا تعزیت نامہ شائع کرایا ہے، ان کے نام سے اس تعزیت نامہ کو دیکھکر ہم کو سخت حیرت ہوئی، آج سے چند سال پہلے، ندوۃ العلماء کے اجلاس ناگپور کے موقع پر ہم کو ان کی کوٹھی پر حاضر ہونے اور گفتگو کرنے کا شرف حاصل ہوا تھا، اس مجلس میں موصوف نے نہایت پرزور دلائل سے عربی تعلیم کے عدم ضرورت کو ثابت کر دیا تھا، آج یہ کیا انقلاب ہے کہ ایک عربی تعلیمگاہ کی بربادی پر ان کی آنکھیں اشک فشاں، اور ان کے لب نوحہ خواں ہیں،

تمھارے دشمنوں کو کیا پڑی تھی میرے ماتم کی!

لیکن یہ اچھا ہوا کہ اسی سلسلہ مین قوم نے اپنے بھولے ہوئے ندوہ کو یاد کیا، اخبارات نے نوٹ لکھے، اور بعضوں نے اپنی مہربانی سے ہمیں مخاطب کیا، ہم اس کا اعلان کرنا چاہتے ہیں، کہ ندوہ نے ۵۰۰ ماہوار کے عطیۂ سرکاری کو چھوڑ کر بحمد اللہ کچھ کھویا نہیں، نہ اس کی تعلیم نے پستی اختیار کی، نہ طلبہ کی تعداد میں کمی ہوئی، جو کچھ بات ہے وہ یہ ہے کہ جس عمارت میں وہ ہے دو سال سے اس کو لکھنؤ یونیورسٹی کے احاطہ میں داخل کرنے کی تجویزیں ہو رہی ہیں، نہ تو گورنمنٹ اس کو خریدتی ہے اور نہ صاف جواب دیتی ہے، اور معاملہ کو ایسے گومگو میں ڈال رکھا ہے کہ ہم اسکو نہ چھوڑ سکتے ہیں اور نہ بنا سکتے ہیں،

تعلیمی حیثیت سے بڑودہ کی چھوٹی سی ریاست نے جو ترقی کی ہے وہ ذیل کے اعداد سے ظاہر ہوگی، اس کے ساتھ برطانی ہند کے اعداد بھی پیش نظر ہوں تو یہ واضح ہو جائیگا، کہ دنیا کی سب سے بڑی سلطنت جو نیم وحشی ہندوستان میں اس لئے ہے تاکہ یہاں علم و ہنر اور تہذیب و تمدن کی اشاعت کرے، اسکی صد سالہ کوششوں کا معیار ترقی کیا ہے؟

	برطانی ہند	بڑودہ
تعلیم یافتہ لوگوں کی تعداد فی صد	۶	۱۰
مدرسہ جانیوالے لڑکے فی صد	۲۲	۲۶
مدرسہ جانیوالی لڑکیاں	۶	۵۷

اسی کے ساتھ یہ موازنہ بھی سامنے رہے کہ دونوں حکومتوں کا ہر شخص کی ذات پر اور آمدنی کے تناسب سے تعلیم پر کیا خرچ ہے؟

	برطانی ہند	بڑودہ
ہر شخص کی ذات پر خرچ	۶ر۹ پائی	ایک روپیہ ۲ آنے
تعلیم پر فیصدی آمدنی کا خرچ	۴ر	۱۱ر

دنیا اس فرق تناسب پر حیرت کریگی، لیکن اس حیرت کو یہ کہکر دور کر دیا جائیگا، کہ برطانی ہند کی آمدنی کا نصف حصہ تعلیم و تہذیب سے زیادہ ضروری فرض پر ہر سال صرف ہو جاتا ہے یعنی انسان کش آلات کی فراہمی اور سرحدوں کی حفاظت کی خاطر، ایک بیکراں فوج پر، اب یہ فیصلہ ہندوستان کا کام ہے کہ اس کو علم و ہنر اور امن و صلح کی فوج کی ضرورت ہے یا جنگ و جدل، حرص و طمع، اور جہل و وحشت کے لشکر کی!

موجودہ طرز تعلیم کی قصیدہ خوانی کرتے ہوئے، ہمارے ماہرین تعلیم فرماتے ہیں، کہ اس میں حفظ صحت کے

اصولوں کی سب سے زیادہ پابندی کیجاتی ہے، چنانچہ جب کوئی انسپکٹر کسی اسکول کا معاینہ کرتا ہے تو اس کی تحقیقات کی پہلی دفعات یہ ہوتی ہیں کہ عمارت کیسی ہے، گرد و پیش کی زمین اور منظر کیا ہے، روشندان کافی ہیں یا نہیں، کمروں میں روشنی پوری ہے یا نہیں، لڑکے کمرہ کی وسعت سے زیادہ تو نہیں بیٹھے ہیں، لیکن با ایں ہمہ تحقیق و تدقیق نتیجہ کیا ہے، طالب علموں کی صحت روز بروز خراب ہوتی جاتی ہے، آنکھوں کی بینائی رخصت ہو رہی ہے، ضعف معدہ کی شکایت عالمگیر ہو رہی ہے، دق اور سل کے حملے تیز ہو رہے ہیں، ہندوستان کا ذکر چھوڑ کے اس متمدن ملک کے طالب علموں کی حالت زار دیکھئے جہاں کے جدید طرز تعلیم کے اصول ہمارے ملک کیلئے اساس و بنیاد ہیں، یعنی انگلستان!

انگلستان میں طلبہ کی صحت کا نقشہ یہ ہے:

مبتلائے امراض دماغی	ضعف دماغ	۲۱۰۰۰
”	نزاکت دماغ	۵۰۰۰
”	بلادت دماغ	۱۰۰۰
مبتلائے امراض جسمانی	سل و دق	۱۳۰۰۰
”	دوسرے جراثیم کی بیماریاں	۲۳۰۰۰
”	دیگر جسمانی امراض	۵۳۰۰۰

ان بچوں کے علاج کے لئے تقریباً ۱۵۰۰۰، پونڈ خرچ ہوئے ہیں، لیکن طریقۂ تعلیم کی تبدیلی اس کا بہترین علاج نہیں ہو سکتی،

بنگال کے مشہور عالم کیمیا سر پی، سی، رائے نے ساٹھ سال کی عمر میں کلکتہ یونیورسٹی سے علحدگی کی

خواہش ظاہر کی تھی، لیکن سینٹ نے ان سے درخواست کی کہ وہ کم از کم پانچ سال تک اور اپنے معلومات سے طلباء کو مستفید کریں، تاکہ جو کام ان کے زیر نگرانی شروع ہو چکے ہیں پایۂ تکمیل کو پہنچ جائیں، سر موصوف نے اس درخواست کو قبول فرماتے ہوئے جس ایثار و قربانی کی مثال پیش کی ہے وہ ہمارے بڑی تنخواہ والے پروفیسروں کے لئے قابل تقلید ہے، آپ نے یونیورسٹی کو اطلاع دی ہے کہ چونکہ اب میں ۶۰ کا ہو گیا ہوں، اس لئے میں کسی قسم کا کوئی معاوضہ لینا نہیں چاہتا اور درخواست کرتا ہوں کہ ستمبر ۲۲ء سے میری جو تنخواہ ہو وہ اس شعبہ کی ترقی پر صرف کیجائے"، کیا ہماری قومی تعلیمگاہوں کے اساتذہ اور معلمین اس واقعہ کا تتبع کرینگے؟

مسئلۂ تقدیر کا ثبوت دنیا کے ذرہ ذرہ سے نمایاں ہے، اہرام مصر کی نسبت عام افواہ ہے کہ اس کے اندر فراعنۂ مصر کے خزانے محفوظ ہیں، تیسری صدی ہجری کے اوائل میں خلیفہ مامون الرشید نے اسی افواہ کی بنا پر ان اہرام کے کھودنے کا حکم نافذ کیا، لیکن اس کی کھدائی پر اتنا صرف آیا جو خود ایک خزانہ کے برابر ہو گیا، با این گرانیِ مصارف جب ایک ہرم کی دیوار میں کچھ روزن پیدا ہوئے تو خزانہ کے بجائے ہڈیوں کا ڈھیر اس میں نظر آیا، اب اس واقعہ کے گیارہ سو برس کے بعد مصر کے قبرستان وادی الملوک میں ایک قبر کو کھودتے ہوئے عظیم الشان دفینہ کا منھ کھل گیا، جس کی نسبت اخبارات کا بیان ہے کہ اس میں ناقابل بیان دولت ہے، کیا یہ قارون کا زیر زمین خزانہ تو نہیں؟

لوزان کانفرنس میں جو مسائل زیر بحث ہیں وہ سیاسی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن امتیازات (کیپی چولیشن) کی بحث کے ضمن میں اور لارڈ کرزن کے اعتراضات کے جواب میں ترکوں نے اپنے انحطاط کے بعد سب سے پہلی دفعہ اس اعلان کی جرأت کی کہ ہمارا ملکی قانون، اگر **شرع محمدیؐ** پر مبنی ہے تو یورپ کا ملکی قانون بھی زیادہ تر رومن اور جرمن لا سے ماخوذ ہے، اس بنا پر کسی قانون کی اچھائی یا برائی کی صرف یہ وجہ نہیں قرار

دی جا سکتی کہ اس کا ماخذ کیا ہی، بلکہ اس کا معیار اس کے نتائج ہیں، اور اس حیثیت سے اسلامی قانون
یورپین قانون سے فروتر نہیں ہی، جزاھم اللہ عن الاسلام خیر الجزاء،

سالِ نو کے عجائبات خطاب میں ڈاکٹر اقبال کا سر اقبال بنجانا ہی، اگر حکومت نے ہمارے قومی
شاعر کی یہ علمی قدر دانی کی ہی تو یہ فال نیک مبارک ہو، اور اسی کے ساتھ یہ اس امر کا تازہ ثبوت ہی کہ ہماری
ملکی زبان کے خدمت گذاروں کی قدر دانی انگریز اس وقت تک نہیں کرتے جبتک ان کے خیالات یورپین
خطا میں ان کے پیش نظر ہوں، ڈاکٹر اقبال بیس برس سے مختلف مشرقی زبانوں میں اپنے افکار نادرہ
اور جذبات عالیہ کا اظہار کر رہے ہیں، لیکن ہماری حکومت نے ان کا اعتراف اس وقت کیا جب پروفیسر
نکلسن کے قلم سے ان کے بعض "رموز و اسرار" شاعرانہ انگلستان کی بزم سخن میں جا کر فاش ہوئے،

اردو فارسی کے قدیم خدمت گذاروں میں ایک مولانا شوکت میرٹھی تھے، جو خود کو "مجدد السنہ
مشرقیہ" کے خطاب سے مخاطب کرتے تھے، انھوں نے خاقانی، عرفی، اور غالب کے دیوانوں کی عجیب
وغریب شرحیں لکھی ہیں، اور ہمیشہ اپنے مذاق کے مطابق وہ کچھ نہ کچھ کرتے اور کہتے رہتے تھے، افسوس
ہے کہ گذشتہ مہینہ انھوں نے ایک طویل علالت اور کبرسنی کے بعد وفات پائی، اب شاید ایسے لوگ
بھی ہمارے ہندوستان میں آئندہ پیدا نہونگے،

انقلاب شام کے بعد عربوں میں جو خوشگوار جدید تغیرات پیدا ہوئے ہیں ان میں ایک اپنی
گذشتہ تمدنی و علمی عظمت کو دوبارہ زندہ کرنے کا خیال ہی، محمد کرد علی، شام کے ایک مشہور صاحب علم
مصنف ہیں، یہ پہلے دمشق سے المقتبس نام عربی میں الندوہ کے طرز کا ایک رسالہ نکالا کرتے تھے،

شام کے جدید سیاسی انقلاب کے بعد یہ وہاں کے وزیر تعلیمات مقرر ہوئے، ان کی سرگرمی میں دمشق
میں ایک اکاڈمی، بنام "المجمع العلمی العربی" قائم ہوئی ہی، اور اس کی طرف سے دو برس سے ایک ماہوار
علمی رسالہ شائع ہوتا ہی، اتحاد اسلامی کا ایک مظہر یہ ہی کہ مجمع مذکور دار المصنفین کے ساتھ اپنا علمی رشتہ
اخوت قائم کرنا چاہتا ہی،

جدید اسلامی ہندوستان کے دور اول کے قومی رہبروں میں سرسید کے بعد نواب **وقار الملک**
وہ خوش قسمت ہیں، جن کی ایک مبسوط اور ضخیم سوانحعمری لکھی گئی ہی، اس کا نام "وقار حیات" رکھا گیا ہی،
اور مولوی اکرام اللہ خاں صاحب ندوی (سابق اڈیٹر الندوہ) نے ایجوکیشنل کانفرنس کے زیر اہتمام اس کو
لکھا ہی، یہ نواب صاحب مرحوم کی نہایت مفصل سیرت ہے اور جس میں خصوصیت کے ساتھ ان کے
اخلاقی واقعات کو وسعت کے ساتھ بیان کیا گیا ہی، امید ہے کہ یہ کتاب ہمارے اخلاقی آئینہ خانہ
میں ایک نئے آئینہ کا اضافہ کریگی،

دار المصنفین میں شعر الہند کے نام سے ایک کتاب اردو شاعری کی تاریخ ارتقا پر زیر تصنیف ہی لیکن
ضرورت تھی کہ اردو شعراء کا ایک مفصل ناقدانہ تذکرہ بھی ہماری زبان میں لکھا جاتا، کہ "آب حیات" جس خمیرہ
خیالات، سے نکلا ہی، وہ لوگوں کو نظر آجاتا، الحمد للہ کہ ایک خضر سخن اردو کو مل گیا جس نے قدماء سے لیکر داغ
و اکبر تک کے تمام اردو شعراء کا ایک مفصل تنقیدی تذکرہ لکھکر ہمارے لئے تحقیقات کی ایک نئی شاہراہ کھولی ہی
جناب مولانا حکیم سید عبد الحی صاحب ناظم ندوۃ العلماء نے اس فرض کو انجام دیا ہی اور غایت کرم فرمائی سے
تصنیف مذکور دار المصنفین کو اشاعت کی غرض سے عنایت فرمائی ہی آج کے سلسلۂ مقالات میں اسی نسخہ
قلمی کا ایک باب ہدیۂ ناظرین ہی،

مقالات

اُردو شاعری پر تبصرہ

(از مولنا حکیم سید عبد الحی صاحب ناظم ندوۃ العلماء)

مولانا ممدوح نے اپنے تذکرہ شعرائے اُردو کے مقدمہ مین اردو شاعری پر ایک مبسوط مقدمہ لکھا ہے، اصل کتاب تین حصون مین منقسم ہی، پہلا حصہ طبقۂ متقدمین، دوسرا حصہ متوسطین اور تیسرا حصہ شعرائے طبقۂ متاخرین کے تذکرہ مین ہی، اس کتاب مین محمد قلی قطب شاہ اور مولنا نصرتی سے لیکر حالی اور اکبر تک کے حالات اور انکی شاعری پر تبصرے ہین،

مقدمۂ کتاب کا یہ ٹکڑہ جس کا عنوان ،، اردو شاعری پر تبصرہ ،، ہی اس مین ہر طبقہ کے ہر دور کی خصوصیات، ترقیان، متروکات اور محاسن کلام پر نہایت خوبی کے ساتھ نظر ڈالی اور اس کی تفصیل و تشریح کیگئی ہی، اردو شاعری پر تبصرے کا یہ پیش نظر حصہ صرف طبقۂ متقدمین و طبقۂ متوسطین کے بیان خصوصیات و محاسن کلام پر مشتمل ہی۔ (معارف)

مین نے امتیاز کے لئے اس کتاب کے تین حصے کر دئے ہین پہلا حصہ طبقۂ متقدمین کیلئے مخصوص ہی اور اس مین تین دور ہین، دور اول کے شعراء مین سے صرف ایک شاعر کا مین ذکر کر سکا ہون دوسرے دور مین شعرائے دکن اور تیسرے مین شعرائے دہلی کا بیان ہی،

دوسرا حصہ متوسطین سے مخصوص ہی اس مین بھی تین دور ہین پہلا دور میر و مرزا کا دوسرا مصحفی اور میر حسن کا تیسرا ذوق و غالب کا،

تیسرا حصہ متاخرین کے ساتھ مخصوص ہی اور اس مین تین دور ہین پہلا دور ناسخ و آتش کا دوسرا امیر و داغ کا تیسرا حالی و اکبر کا جنھون نے جدید شاعری کی بنیاد ڈالی ہی،

طبقۂ متقدمین

اس طبقہ مین پہلا دور ان شاعرون کا ہی جن کی نشو و نما حیدرآباد اور بیجاپور مین ہوئی ہی اس دور مین جو شعرا صاحب دیوان ہوئے ہین ان مین سے محمد قلی قطب شاہ، سلطان محمد قطب شاہ، عبد اللہ قطب شاہ، مولانا نصرتی، اور مولنا ہاشمی کے نام اب تک معلوم ہو سکے ہین،

ان لوگون مین سے اوّل الذکر تین نام خاندان قطب شاہیہ کے تین بادشاہون کے ہین جن کے دیوان حیدرآباد مین موجود ہین، اور ان کے کلام کا بیشتر حصہ آصفی ملکاپوری نے تذکرۂ شعرائے دکن مین نقل کیا ہی ان کے زمانے مین اردو زبان عالم طفولیت مین تھی دکنی الفاظ کثرت سے اس مین پائے جاتے ہین اور میرا خیال ہی کہ شمالی ہندوستان کے رہنے والون کو ان کے اشعار کا بیشتر حصہ سمجھ مین نہین آسکتا، طریقۂ بیان مین بھی کوئی ندرت نہین سیدھے سادے انداز سے پیش پا افتادہ مضامین کو نظم کر دیا ہی، تاہم اگر کوشش کر کے ان کا صاف اور سادہ کلام ایک جا کر دیا جائے تو اردو زبان کی تاریخ کا سلسلہ مکمل ہو جائے دوسرے دور کے شعراء کی نشو و نما اورنگ آباد مین ہوئی ہی ان کی زبان منجھتے منجھتے بہت صاف ہو گئی ہی تاہم دکن کا لب و لہجہ اور کہین کہین الفاظ و روابط جو اہل دکن کے ساتھ مخصوص ہین ان لوگون کے کلام مین پائے جاتے ہین مثلاً،

"تکو" بجائے "نہین" "کے تئین" بجائے "ڈالین" "ٹک دے" بجائے "لادے" "بیگی" بجائے "جلدی" "دِستا" "دیکھتا" کے معنون مین "ایس" "اپنے" کے جگہ "سنگات" "ہمراہ" "دہا" "کجہ" "ذہن" "بانان" "بائین" ان کے سوا اور الفاظ و روابط ہین جو اس دور کے ساتھ مخصوص نہین شعرائے دلی کے کلام مین بھی پائے جاتے ہین مثلاً

"سون" "سین" "ستی" بجائے "سے" "کون" واو معروف کے ساتھ بجائے "کو" "ہمن کو" بجائے "ہم کو" "تمن" بجائے

طرح "موہن" "سرجن" "پی" "پیتم" بجائے "معشوق" "جگ" "منی" "دنیا" "مین" "بر" "منی" "برہمن" یعنی "گو" "دین" "مجھ" "دل" "میرا دل"
"تجھ لب" "تیرا لب" "جگ" "دنیا" "بچن" "کلام" "نت" "ہمیشہ" "نگہ" "نمنہ" "بہتر" "اندر" "بھوان" "بھوین" "پلکان" "پلکین" "یونیہ" "یگانہ" "بیگانہ"
"دوانہ" "دیوانہ" "مرض سکون رے کے ساتھ بجائے مرض کے جس کے رے کو فتحہ ہی "تسبی" "تسبیح" "سہی" "صحیح" مین کہا"
مین نے کہا ان کے سوا اور بھی الفاظ ہین جو طبقہ متوسطین کے شعرا بھی کام مین لائے ہین ان کا ذکر وہان آئیگا

ان دونون دور کے شاعرون کا انداز بیان بہت صاف و سادہ ہی جو کچھ آنکھون کے سامنے
دیکھتے ہین اور اس سے دل مین خیالات گذرتے ہین وہی زبان سے کہدیتے ہین ایچ پیچ کے خیال ور
دور کی تشبیہین نازک استعارے نہین بولتے اسی واسطے اشعار صاف اور بے تکلف ہین،

گرچونکہ اردو شاعری کی ابتدا فارسی شاعری کی انتہا سے جاملی ہی لہذا بہت سے خیالات جو خاص
ملک فارس سے علاقہ رکھتے ہین اس مین خود بخود آ گئے مثلاً،
بجائے عورتون کے لڑکون کا عشق ان کے خط کی تعریف شمشاد، نرگس، سنبل، سوسن، بنفشہ وغیرہ
کی تشبیہین، لیلی، شیرین، شمع، گل، سرو وغیرہ کا حسن، مجنون، فرہاد، بلبل، قمری، پروانہ کا عشق، مانی وبہزاد
کی مصوری، رستم واسفندیار کی بہادری زحل کی نحوست سہیل یمن کی رنگ افشانی نوروز کا جشن،
جام جم، خم فلاطون، راہ ہفتخوان، کوہ الوند، کوہ بے ستون، جوئے شیر، قصر شیرین، جیحون، سیحون اور خدا جانے
کیا کیا، الفاظ ترکیبین اور خیالات فارسی سے اردو مین آ گئے،

ان خیالون اور اشارون نے اردو شاعری کو سنگلاخ بنا دیا جس کی مان بہاشا سی شیرین زبان
تھی جو ہم کو وہ چیزین بتاتی ہی جن کی کیفیت ان کے دیکھنے سننے سونگھنے چکھنے یا چھونے سے حاصل ہوتی ہے،
مثال کی طور پر خیال کرو بارش کا موسم ہندوستان مین بہار کا موسم ہی بادلون کا گھر گھر کر آنا سرد ہواؤن
کا چلنا سرسبز اور شاداب درختون کا جھومنا ہلکی ہلکی پھوہارون کا پڑنا کوئل کا کوکنا پپیہون کا پی کہان پی کہان
کہان کی صدا لگانا یہ اور اسی قسم کی بہت سی دلکش باتین ہین کہ جن کو دیکھکر دل کو سرور اور آنکھون کو

نور حاصل ہوتا ہی اور انہین باتون کو اگر شعر کے قالب مین ایک خاص انداز سے ڈھالا جائے تو اس کو سنکر
دلون مین جوش اور طبیعتون مین اتنی امنگ پیدا ہوسکتی ہی جو بہار فارس کو خواب مین دیکھنے سے نہین ہوسکتی،
مگر بدقسمتی سے اُردو شاعری مین گل وبلبل کا دخل ہوا جو متقدمین کے ہان کم کم متوسطین کے ہان کچھ
زیادہ پایا جاتا ہی، اور متاخرین کی شاعری کا دار مدار انہی پر ٹھرگیا تحسین وآفرین کی ہوس مین کبھی صفت
در صفت کبھی استعارہ در استعارہ سے اسے اتنا تنگ وتاریک کر دیا کہ شاعری گورکہ دھندا بنکر رہگئی،

بہرحال متقدمین کے خیالات مین ندرت نہین ہی تو نہو مگر ان کا انداز بیان بہت بے تکلف
اور سیدھا سادہ ہی اس مین شعرائے دکن اور دلی مین باہم کچھ امتیاز نہین البتہ یہ حیرت کی بات ہی کہ شمس الدین ولی
نے اپنے کلام مین ابہام اور ذو معنیین سے اتنا کام نہین لیا جتنا شاہ مبارک آبرو اور ان کے معاصرین کام
لیتے ہین خدا جانے ان بزرگون کو اس کا شوق کیونکر پیدا ہوا میرے خیال مین آزاد کی یہ رائے صحیح ہی
کہ دوہرون کے انداز نے جو ہندوستان کا سبزۂ خود رو تھا اردو کو بھی اپنے رنگ مین رنگ دیا ہی،

طبقہ متوسطین

مین نے اس حصہ کو تین دور پر تقسیم کیا ہی دور اول مین مرزا مظہر، مرزا رفیع، میر تقی میر، خواجہ میر درد
میر سوز، قائم، یقین، بیان، حزین، ہدایت، قدرت، بیدار، ضیا جو اس دور کے ان ممتاز شاعرون مین ہین جنھون
نے زبان کی صحت وصفائی اور طرز بیان کی خوبی اور پاکیزگی مین نمایان حصہ لیا ہی،
دوسرے دور مین میر اثر، بقا، حسرت، راسخ، میر حسن، جرأت، انشا، مصحفی، رنگین اور فراق کا ذکر ہے،
جنھون نے زبان کو پہلے سے زیادہ صاف کیا ہی اور طرز بیان مین بھی کسی کسی نے نیا انداز پیدا کر دیا ہی،
تیسرے دور مین نصیر، ممنون، ذوق، ظفر، مومن، غالب، تسکین، اور شیفتہ، کا ذکر ہے جنھون نے
زبان کو زیادہ صاف اور ستھرا کر کے کلام کو گلہائے رنگارنگ سے آراستہ کر دیا ہی اور لطف یہ ہی کہ صفائی اور
سادگی کو بھی ایک حد تک قائم رکھا ہی،

دور اول | سب سے پہلا کارنامہ اس دور کے شعرا کا یہ ہو کہ زبان کی صفائی اور صحت مین پوری کوشش کی اور بہت سے وہ الفاظ و روابط جنھین ولی اور اس کے ہمعصر بے تکلف کام مین لاتے تھے، نکال ڈالے تاہم کچھ الفاظ ایسے رہ گئے جو ان کے زمانے مین فصیح سمجھے جاتے ہون، مگر آج ہم کو اجنبی اور نامانوس معلوم ہوتے ہین مثلاً "کیا کیا" بجائے "کس کس"، "ان نے" بجائے "جس نے" "تس نے" بجائے "اُس نے جس نے"، "ہر نظر" بجائے "نظر بھر کے" "دل اپنے" کے بجائے "اپنے دل کے"، "تجھ آنسو" بجائے "تیرے آنسو کے"، "جس تس نے" بجائے "جس کسی نے" "اُدھر اُدھر" بجائے "اِدھر اُدھر"، "کہنے لاگا" بجائے "کہنے لگا"، "ذوانہ بگانہ" بجائے "دیوانہ بیگانہ"، "رقیبان" بجائے "رقیبون" "کے"، "انکھڑیان" "انکھون" کی جگہ، "سجن" معشوق کے معنون مین "بیچ" "اندر" کے معنون مین، "دم کھا رہو" "سانس نہ لو" یعنی "چپکے رہو"، "کنے" "پاس"، "آپ ہین نا مین" "نہ آپ ہین نہ مین"، "مین کہا" "مین نے کہا"، اسی طرح کے اور چند الفاظ ہین جو زیادہ تتبع کرنے سے مل سکتے ہین تاہم زبان کے صاف اور ستھرا کرنے مین اس دور کے شعرا نے جو کوششین کی ہین وہ نہایت قابل قدر ہین،

(۲) دلپذیر اور دلکش اور پسندیدہ محاورات جو فارسی مین دیکھے انھین کہین ترجمہ کر کے اور کہین بجنسہٖ لے لیا، مثلاً تردامن، پنبہ دہن، آتش زیر پا، کمر کوہ، دامن کوہ، گردن مینا، دست سبو، سرو آزاد، سوسن دہ زبان، نرگس شہلا، داغ جنون، طفل اشک، یاد ایام، بر آمدن، در آمدن، بسر آمدن، گوش کردن، بو کردن چراغ کشتن، دل دادن، دل از دست رفتن، از جان گذشتن، از سر چیزے گذشتن، عرق عرق شدن، پیمانہ پر شدن، از جامہ بیرون شدن، دامن افشاندہ برخاستن، خوشا بحال کسانیکہ، حیف آنان یا حیف کسانیکہ، اور اسی طرح کے سینکڑون الفاظ اور محاورے ہین جنھین اردو مین ایسی بے تکلفی سے کھپایا ہی کہ کہین سے جوڑ نہین کھلسکتا۔

آزاد نے آب حیات مین اسی بحث کو بہت پھیلا کر بیان کیا ہی، اور ہر ایک کی مثالین شعرا کے کلام سے نکالکر پیش کی ہین، جو پڑھنے کے قابل ہین،

(۳) انھون نے بھی بڑا کام کیا ہی کہ جو عاشقانہ مضامین غزلون مین بہت پہلے سے بندھتے چلے آتے ہین ان کو بہ تبدیل الفاظ او تبغیر اسالیب معمولی بول چال اور روزمرہ مین اس خوبصورتی سے ادا کیا ہو کہ بار بار پڑھئے اور مزے لیجئے ان کی بندشین اگلی بندشون سے زیادہ چست اور لطیف اور ان کے محاورے اگلے محاورون سے زیادہ دلآویز و دلکش ہین علاوہ اس کے قدیم جذبات و خیالات مین اپنے مبلغ فکر کے مطابق جو نزاکتین اور لطافتین انھون نے پیدا کی ہین وہ باوجود پرانے روزمرہ اور محاورون کے بدلجانے کے اب تک ایسے ہین کہ لوگ ان کو پڑھتے اور سر دھنتے ہین ہین نے اس کتاب مین ہر ایک کے اشعار اسی قسم کے انتخاب کئے ہین جو اپنے اپنے موقع اور محل پر آئینگے تاہم جی نہین مانتا یہان بھی چند اشعار مثال کے طور پر نقل کرتا ہون

مرزا مظہرؒ　ہم گرفتارون کو اب کیا کام ہی گلشن مین لیک　　جی نکلجاتا ہو جب سنتے ہین آئی ہے بہار

مرا جی جلتا ہو اس بلبل بیکس کی غربت پر　　کہ جس نے آسرے پر گل کے چھوڑا آشیان اپنا

کیا جوان مارا گیا خوبان کے ہاتھ　　لاکھ حسرت کھیت آئین جس کے ساتھ

مرزا رفیع　اے لالہ گو فلک نے دئے تجھکو چار داغ　　چھاتی مری سراہ کہ اک دل ہزار داغ

تو نے سودا کے تئین قتل کیا کہتے ہین،　　یہ اگر سچ ہو تو ظالم اسے کیا کہتے ہین

کیفیت چشم اس کی مجھے یاد ہے سودا　　ساغر کو مرے ہاتھ سے لیجو کہ چلا مین

سودا خدا کے واسطے کر قصہ مختصر　　اپنی تو نیند اڑ گئی تیرے فسانے مین

اس کشمکش سے دام کے کیا کام تھا ہمین　　اے الفت چمن ترا خانہ خراب ہو

سودا تری فریاد سے آنکھون مین کٹی رات　　آئی ہے سحر ہونے کو ظالم کہین مر بھی

میر تقی میر　ہم خستہ دل ہین تجھ سے بھی نازک مزاج تر　　تیوری چڑھائی تو نے کہ یان دم نکل گیا

باہم سلوک تھا تو اٹھاتے تھے نرم گرم　　کاہے کو میر کوئی دبے جب بگڑ گئی،

کعبہ مین جان بلب تھے ہم دوری بتان سے　　آئے ہین ابکی یار و پھر کر خدا کے ہان سے

واعظ ناکس کی باتون پر کوئی جاتا ہو میر　　آؤ میخانے چلو تم کس کی باتون پر گئے،

آشیانے مین رات بلبل کے — آتش گل سے رات پھول پڑا

خواجہ میر درد — اس طرح سے یک لخت جو آنسو نہین تھمتے — معلوم ہوا درد کہین آنکھ لڑی ہے،

تیری گلی مین مین نہ چلون اور صبا چلے — یون ہی خدا جو چاہے تو بندہ کی کیا چلے

نزع مین تو ہون وے تیر اگلہ کرتا نہین — دل مین ہو وہ بھی وفا پرجی وفا کرتا نہین

قائم — قائم ضرور کیا ہو اب اس جنگجو سے صلح — مدت ہوئی کہ جان سے مین ہاتھ دھو چکا

طوفان گریہ کی ہو مری حد عمر نوح — دریا نہین کہ آج چڑھا کل اتر گیا

یقین — شب ہجران کی وحشت کو تو ای ہمدرد کیا جانے — جو دن پڑتے ہین راتون کو مجھ تیری بلا جانے

گریبان چاک کرنے سے کیسے کیا تجھے ناصح — ہمارے ہاتھ جانین اور ہمارا پیرہن جانے

(۴) ان بزرگون نے تشبیہ و استعارہ سے کام لیا ہو مگر اعتدال کے ساتھ متاخرین کے طرح صنعت در صنعت اور استعارہ در استعارہ کر کے کلام مین پیچیدگی نہین پیدا کی،

تشبیہ و استعارہ کو محاورون کی رنگینی سے اس طرح کھپایا ہو کہ شعر سنکر اس کی گرمی اور جوش و خروش مین انسان ایسا محو ہو جاتا ہو کہ تشبیہ اور استعارہ کے طرف فوراً ذہن منتقل نہین ہوتا اور یہی بات ان کی شاعری کی جان ہے،

تشبیہ و استعارہ ایک فطری چیز ہو ایک عامی بھی جوش و خروش مین غیظ و غضب کی حالت ہو یا رنج و غم کی جب کوئی بات کہتا ہو تو بے ساختہ اس کے منہ سے تشبیہ یا استعارہ کے قالب مین ڈھلکر بات نکلتی ہو اور وہ سننے والے کے دل پر وہی اثر پیدا کرتی ہو جو کہنے والے کے دل پر اس وقت طاری ہو،

اگر شاعر اسی نکتہ کو پیش نظر رکھیگا تو اس سے سلیقہ مندی ظاہر ہوگی اور اگر وہ بے اعتدالی سے کام لے گا تو اس شعر کو سنکر بجائے اس کے کہ اس کے جوش و خروش کا دل پر اثر ہو تشبیہ و استعارہ کی پیچیدگی اپنی طرف متوجہ کریگی اور اس طرح سے اس کا مقصود فوت ہو جائیگا،

اگر تم یہ کہنا چاہو کہ فلان شخص بہادر ہو اور اسی لفظ سے اس کو ادا کر دو تو ادائے مطلب کا یہ ایک معمولی طریقہ ہوگا اور اگر اسی بات کو یون کہو کہ وہ شیر کے مانند ہو تو یہ تشبیہ ہوگی اور اس مین زور پیدا ہو جائیگا اور یون کہو کہ وہ شیر ہو تو زور اور بھی بڑھ جائیگا اور اگر اس شخص کا نام منلو اور یون کہو کہ مین نے ایک شیر دیکھا اور اس سے مراد اسی شخص کو لو تو یہ استعارہ ہو اور اسی مقصد کو حاصل کرنے کا ایک طریقہ اور بھی ہو کہ شیر کا نام ہی نہ لیا جائے بلکہ اس کے جو مخصوص اوصاف ہین اس شخص کی نسبت استعمال کئے جائین مثلاً یون کہا جائے کہ وہ جب میدان جنگ مین ڈکارتا ہوا نکلا تو کھلبلی پڑ گئی تو یہ بھی استعارہ اور پہلے کے نسبت یادہ لطیف ہے

تشبیہ مین مشبہ اور مشبہ بہ کے درمیان اور استعارہ مین مستعار لہ اور مستعار منہ مین کسی قسم کی مناسبت کا ہونا ضروری ہو خواہ ایک صفت مین ہو یا چند اوصاف مین حواس ظاہری سے محسوس ہوئی ہو یا عقل سے اسکا ادراک ہوتا ہو یہی ایک چیز ہو جس مین سلیقہ سے کام لینے کی حاجت ہو اور اس مین کچھ شبہہ نہین کہ طبقہ متوسطین کے شعرا نے عموماً اور اس کے دور اول نے خصوصاً بہت سلیقہ سے کام لیا ہو مین چند اشعار پیش کرتا ہون کچھ ضرور نہین کہ اپنی طرف سے حواشی چڑھاؤن تم اپنے مذاق سلیم کی مدد سے ان پر غور کرو اور یہ دیکھو کہ جو کچھ مین نے کہا ہو دہان مین ہو یا نہین،

مرزا مظہر — یہ بلبلون کا صبا مشہد مقدس ہو — قدم سنبھال کے رکھیو ترا یہ باغ نہین

آتش کہو، شرارہ کہو، کو ئلا کہو — مت اس ستارہ سوختہ کو دل کہا کرو

مرزا رفیع — چھیڑ مت باد بہاری کہ مین جون نگہت گل — پھاڑ کر کپڑے ابھی گھر سے نکل جاؤنگا

ساقی ہو یک تبسم گل فرصت بہار — ظالم بھرے ہو جام تو جلدی سے بھر کہین

میر تقی میر — صیاد دل ہو داغ جدائی سے رشک باغ — تجھکو بھی ہو نصیب یہ گلزار دیکھنا

فلک کو منھ نہین اس فتنی کے اٹھانے کا — ستم شریک ترا ناز ہے زمانے کا

خواجہ میر درد — مثل نگین جو ہم سے ہوا کام رہ گیا — ہم روسیاہ جاتے رہے نام رہ گیا

دل بھی اے درد قطرۂ خوں تھا | آنسوؤں میں کہیں گرا ہو گا،

قائم
مجھ سا جہان میں کوئی آشفتہ سر نہیں | ہے یوں تو زلف یار اگر اس قدر نہیں
دل ڈھونڈھتا سینہ میں مرے بوالعجبی ہی | اک ڈھیر ہے یاں راکھ کا اور آگ دبی ہی

یقین
نظر آتا نہیں ثابت گریباں ایک غنچے کا | چمن میں یہ ستم کرتا ہی اے باد صبا کوئی
یقیں ہوا مجھے قطرہ سے اشک کے معلوم | نہ اٹھ سکے جو کوئی آنکھ سے گرا ہووے

بیان
ہم سرگذشت کیا کہیں اپنی کہ مثل خار | پامال ہو گئے ترے دامن سے چھوٹ کر
فرشتوں کی عبادت کا معنی ہی مراد امن | اگر آلودگی دنیا کی اس کو پاک رہنے دے

(۵) اس دور سے پہلے شعرائے ریختہ غزل مثنوی رباعی قطعہ وغیرہ سب کچھ کہتے آئے ہیں اور قصیدے بھی برائے نام لکھے ہیں مگر حقیقت یہ ہی کہ ان کو قصیدہ نہیں کہہ سکتے دو چار شعر میں کسی کی مدح کر دینے یا تشبیب گریز مدح اور دعا جو قصیدہ کے لوازم قرار پا گئے ہیں ان سے تعرض نہ کرنے سے کوئی کلام قصیدہ نہیں بن سکتا، سب سے پہلے اسی دور کے شعرا نے قصائد دھوم دھام سے لکھے اور ان کو اعلیٰ درجہ فصاحت و بلاغت پر پہنچایا خصوصًا مرزا رفیع سودا اس میدان میں فارسی شعرا سے بھی بعض باتوں میں آگے بڑھ گئے ہیں ان کے کلام کا زور شور انوری کے کلام سے نہیں دبتا اور نزاکت مضمون میں عرفی کو بھی شرماتا ہی،

مثنویاں ولی اور ان کے متبعین نے بھی لکھی ہیں مگر عاشقانہ مثنویاں جس شان کی میر تقی میر نے لکھی ہیں ان کی نظیر اس دور سے پہلے نہیں ملتی،

مرثیہ کے متعلق میرا یہ خیال ہی اور صحیح خیال ہی کہ اردو شاعری کی ابتدا اسی سے ہوئی ہی حیدرآباد اور بیجاپور کے شعرا اکثر مرثیہ گو تھے اور ان میں سے بعض ایسے خوشگو تھے جن کے مرثیہ اگرہ اور دلی تک قدر دانوں کے ہاتھ پہونچتے تھے مگر اس زمانہ میں چو مصرعے کہنے کا رواج تھا سب سے پہلے اسی دور کے ملک الشعرا مرزا رفیع سودا نے اسے مسدس کیا جس سے اس میں وسعت پیدا ہو گئی،

واسوخت قدما کے ہاں دیکھنے میں نہیں آیا سب سے پہلے اسی دور کے شاعر بے نظیر میر محمد تقی میر نے اس میں طبع آزمائی کی اور اس کوچہ میں جو کمال دکھایا اس کا طرۂ افتخار ہمیشہ انہیں کے سر رہیگا،

ہجوگوئی شاعری کے گلشن کا ایک خار دامنگیر ہی مگر جس طرح سے گل کے ساتھ کانٹوں کا ہونا ضرور ہی اسی طرح شاعرانہ جوش و خروش کی تکمیل میں اس کو بہت کچھ دخل ہی اسی وجہ سے عربی اور فارسی کی شاعری بھی اس سے نہیں بچ سکی مگر ریختہ گو شعرا کے اول طبقہ میں اس کا سراغ نہیں ملتا اگر کہیں ایک دو شعر ہوں تو وہ شاعرانہ نوک جھونک سے زیادہ نہیں اسی دور کے شعرا میں مرزا رفیع اس کے بھی مرد میدان ہیں گرمی کلام کے ساتھ جو شوخی اور ظرافت ان کے حصہ میں آئی ہی اس کی نظیر دوسری جگہ نہیں مل سکتی،

ان کے ہمعصروں میں سے میر تقی میر، میر ضاحک، فدوی، ندرت، اور بقا نے بھی اس کوچہ کی خاک اڑائی ہی ع مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی،

علاوہ ان چیزوں کے مخمس، مربع، مثلث اور مستزاد غرضکہ جتنے اصناف سخن ہیں سب میں ان لوگوں نے طبع آزمائی کی ہی اور اردو شاعری کو ہر طرح سے مکمل کر دیا ہی،

(۶) ایک بڑا کارنامہ اس دور کے شعرا کا یہ ہی کہ تناسب لفظی اور صنائع و بدائع کی دوسری قسمیں خصوصًا ابہام اور ذو معنیین جو قدما کی شاعری کا مایۂ ناز ہے۔ اس کے دور کرنے میں انھوں نے بڑی کوشش کی خصوصًا مرزا جانجاناں مظہر رحمۃ اللہ علیہ نے اس خارزار کو ایسا چھانٹا کہ شاعری ساحری بنگئی پھر اپنے زور طبع اور خداداد قابلیت سے اچھوتے مضمونوں اور فارسی ترکیبوں اور اردو کے دلکش محاوروں کو اس طرح پر ترتیب دیا اور وہ خوبی پیدا کی کہ ابہام تجنیس وغیرہ صنایع لفظی جو ہندی دوہروں کی بنیاد تھی اُسے سب بھول گئے یقین، حزین، بیان، حسرت، اور فقیر درمند نے ان کے سامنے زانوے تلمذ تہ کر کے اور میر و مرزا وغیرہ نے ان کا تتبع کر کے اردو شاعری کو معراج کمال پر پہنچا دیا یہ اردو شاعری کے مورخ کی سخت بے انصافی ہی کہ اس نے مرزا صاحب کے اس احسان کا اعتراف نہیں کیا بلکہ ان کے کمال شاعری کو

دبانے کی ہر جگہ بے سود کوشش کی ہے،

مولوی قدرت اللہ شوق طبقات الشعرا میں لکھتے ہیں،

اول کسیکہ طرز ایہام گوئی را ترک نمودہ ریختہ در زبان اردوئے معلّٰی شاہجہاں آباد کہ الحال پسند خاطر عوام وخواص گردیدہ مروج ساختہ زبدۃ العارفین قدوۃ الواصلین واقف رموز جناب اکبر کاشف کنوز طریقہ پیغمبر مرزا جان جاناں متخلص بمظہر مرد لیست فرشتہ صفت الخ

شیخ غلام ہمدانی مصحفی اپنے تذکرہ میں فرماتے ہیں،

در ابتدائی شوق شعر کہ ہنوز از میر و مرزا کسے درعرصۂ وجود نیامدہ بود و دور دور ایہام گویاں بود اول کسیکہ شعر ریختہ بہ تتبع فارسی گفتہ اوست،

کچھ دور آگے چلکر کہتے ہیں

فی الحقیقت نقاش اول زبان ریختہ باعتقاد فقیر مرزا ست بعدہ تتبعش بدیگران رسیدہ

بہرحال ایہام گوئی کو ترک کر کے شعر کو بلند مضامین اور لطیف خیالات کے قابل بنانا اس دور کے شعرا کا بہترین کارنامہ ہے جو بھولنے کے قابل نہیں ہے،

(۷) سلسلۂ بیان میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اصناف سخن میں ہر چیز کو جس سلیقہ سے اس دور کے بزرگوں نے بیان کیا ہے وہ انھیں کا حصہ تھا قصیدوں میں پر شوکت الفاظ بلند مضامین اور چست ترکیبیں استعمال کیں غزلوں میں بے تکلف زبان میں نرم نرم باتیں عاشق و معشوق کے خیالات، وصل کا ارمان، فراق کی المناک کیفیت اور جذبات انسانی کی صحیح ترجمانی جیسی انھوں نے کی اس کی نظیر قدما کے کلام میں نہیں ملسکتی، میر تقی، میر درد، یقین، بیان، حزیں، ہدایت، اور بیدار، کی غزلیں پڑھو اور اپنے دل پر ہاتھ دھر کر دیکھو:

یا جوش و خروش کلام کی گرمی اور دلآویزی دلچسپ اور دلپسند بحروں میں جن میں سے ایک

بہت سی اردو میں نہیں آئی تھیں پھر سنگلاخ زمینوں اور مشکل ردیف اور قافیوں میں شعر کی آب و تاب دیکھنا چاہو تو مرزا رفیع سودا اور قائم کا کلام دیکھو اور انصاف کرو اس کا دھندلا سا عکس بھی قدما کے کلام پر نہیں پڑتا،

اگر روزمرہ اور محاورے میں بیان کی بے تکلفی اور سادگی دیکھنا ہو تو میر تقی میر درد اور میر سوز کی غزلیں پڑھو جن پر ہزاروں طرح کی بناوٹیں قربان ہوتی نظر آئینگی،

تصوف کا رنگ جو شعر کی جان ہے اور جس کے بغیر کلام روکھا پھیکا نظر آتا ہے اس کو خواجہ میر درد سے پہلے سراج کے سوا کسی نے چھوا بھی نہیں اس کی آمیزش سے جو تڑپ ان کے کلام میں پیدا ہو گئی ہے اس کا اترا ہوا خاکہ بھی ان کے پیشروں کے کلام میں نظر نہیں آتا.

بسا ہے کون ترے دل میں گلبدن اے درد — کہ بو گلاب کی آئی ترے پسینے سے

اس کے خیال زلف نے سب سے چھڑا دیا — گرچہ پھنسے ہیں دام میں دل کو فراغ ہے

گزرا ہے صبا کون بتا آج ادھر سے — گلشن میں ترے پھولوں کی وہ باس نہیں ہے

قاصد ترا یہ کام نہیں اپنی راہ لے — اس کا پیام دل کے سوا کون لا سکے

ایک ہی جست میں لی منزل مقصود اس نے — رہرو درد کی جا ہے سفر پروانہ

اے درد یہاں کسو سے نہ دل کو لگائیو — لگ چلیو سب سے یوں تو پہ جی مت پھنسائیو

دور دوم سب سے نمایاں کارنامہ اس دور کے شعرا کا یہ ہے کہ انھوں نے زبان کی صحت اور صفائی میں ایک قدم اور آگے بڑھایا اور بہت سے ناگوار الفاظ و روابط جنکو دور اول کے شعراء نے قدما سے ترکہ میں پایا تھا، انھوں نے نکال ڈالے اور وہ ایک حد تک صاف و شستہ ہو گئی،

تاہم انکھریاں، جھگڑا، اکھڑا انگ، نت، زور، آتیاں جاتیاں، جاؤں ہوں، اکھینچوں ہوں، اپنے سے کہتا تھا، ایدھر اودھر، تسپر، کنے اور اسی قسم کے کچھ الفاظ باقی رہ گئے،

سید انشا کے کلام میں کچھ ناگوار الفاظ اپنے ہمعصروں سے زیادہ ملتے ہیں مثلاً داچھڑی، بھلا رے، مگر انکی

سند نہیں وہ ہر جگہ دھنیگا مشتی کرتے ہیں کہیں آزادوں کے لہجہ میں بولنے لگتے ہیں کہیں رنڈیوں کی زبان میں گفتگو کرتے ہیں کبھی یورپ میں ہیں کبھی پچھاں میں اور کسی جگہ ان کا رفیق زندگی یعنی تمسخر ان سے جدا نہیں ہوتا،

(۲) طرز بیان میں کوئی حسن و خوبی اس دور کے شعرا نے نہیں پیدا کی انہیں پھولوں سے گلدستے تیار کئے جو ان کے پیشرو جمع کر چکے تھے صرف اتنا کیا کہ شوخی اور ظرافت کے ساتھ عاشقانہ شاعری میں حقیقت کے منہ سے نقاب کو ہٹا کر مجاز کو زیادہ نمایاں کر دیا،

اس کی حقیقت یہ ہے کہ عاشقانہ شاعری کی دو قسمیں ہیں، اول وہ جس میں عاشقانہ جذبات کی صحیح کیفیت حق شناس آنکھوں میں خدا نمائی کا جلوہ دکھاتی ہے اس کی حد ایک طرف تصوف یا معرفت یا عشق حقیقی سے ملتی ہے دوسری طرف پاک محبت اور عشق مجازی سے ڈانڈا ملجاتا ہے،

پہلی صنف میں خواجہ میر درد اور دوسرے میں میر تقی میر نے نمایاں حصہ لیا ہے اور اس دور کے شعرا میں سے سودا قائم، ہدایت، یقین، اور بیان، وغیرہ زیادہ نہیں تو کچھ کچھ اسی راستہ پر چلے ہیں،

اس دور کے شعرا میں سے میر اثر اور راسخ خواجہ میر درد کا تتبع کرتے ہیں میر حسن، مرزا رفیع وغیرہ کے راستہ پر چلے ہیں اور مصحفی کا انداز کہیں کہیں پر میر سے ملتا ہے،

دوسری قسم وہ ہے جس میں پاک اور بے لوث عشق کی جگہ پر ہوس پرستی کے جذبات کی تصویر کھینچی گئی ہو اس کو افسوس ہے کہ اس دور میں جرأت، انشا، اور رنگین نے ترقی دے کر اس ناپاک طریقہ کی بنیاد ڈالدی جس پر متاخرین نے بلند عمارتیں کھڑی کر دیں اور یہ رنگ اتنا مقبول ہوا کہ سنجیدہ اور پاکیزہ خیال دم بخود ہو کر رہ گئے، تھوڑی دیر کو سنجیدگی کو بالائے طاق رکھکر ان کا بھی انداز دیکھ لو،

پہلے جرأت کی دلبری دیکھو

وہ تنگ اب چھوڑ دیا گھر سے نکل کر آنا	یا وہ راتوں کو سدا بھیس بدل کر آنا
کیا کیا وہ خفا مجھ سے ہوا گھر سے نکل کے	جب میں نے پکارا اسے آواز بدل کے

پھینٹے غیروں سے جو کل آپ لڑے پانی کے	پڑ گئے سینکڑوں بس ہم پہ گھڑے پانی کے
کل واقف راز اپنے سے کہتا تھا وہ یہ بات	جرأت کے یہاں رات جو مہمان گئے ہم
کیا جانئے کمبخت نے کیا ہم پہ کیا سحر	جو بات نہ تھی ماننے کی مان گئے ہم

سید صاحب کی گل افشانی کچھ ان سے بھی بڑھکر ہو

اب جو اگلے سی طرح کا نہیں گھرا پردا	رہ گیا آپ میں اور ہم میں اکہرا پردا
کچھ اشارہ جو کیا ہم نے ملاقات کے وقت	ٹال کر کہنے لگے دن ہے ابھی رات کے وقت
نہ لگی مجھکو جو اس شوخ طرحدار کی گیند	اس نے محرم کو سنبھال اور ہی تیار کی گیند
جاڑے میں کیا مزا ہو وہ تو سمٹ رہی ہوں	اور کھول کر رضائی ہم بھی لپٹ رہے ہوں
جی چاہتا ہے اے دل اک رات ایسی آوے	مطلع ہو صاف ستھرا بادل بھی چھٹ رہے ہوں
سوتے ہوں چاندنی میں وہ منہ لپیٹے اور ہم	شبنم کا وہ دوپٹہ بیٹھے الٹ رہے ہوں

(۳) ان لوگوں کی طبیعت کی رنگینی نے اسی پر قناعت نہیں کی بلکہ ریختہ سے ریختی کے شاخسانے کھڑے کر دئے آزاد کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ رنگین اور انشا اس کے موجد ہیں کیونکہ قدما کے ہاں بھی اس کا سراغ ملتا ہے مولانا ہاشمی بیجاپوری طبقہ متقدمین کے دور اول کے مشہور شاعر ہیں جنھوں نے یوسف زلیخا ریختہ میں لکھی ہے، ان کے یہ دو شعر شفقی ملکاپوری نے اپنے تذکرہ میں لکھے ہیں،

رضا گر مجھکو دیتی ہے کروں گی گھر میں جا وارد	اگر مجھ ہو نگی فرصت صبح پھر آونگی چھوڑ دو
اگر کوئی آکے دیکھیگا تو دل میں کیا کہیگا وہ	مجھے بدنام کیا کرتے کہیں میں جاونگی چھوڑ دو

مولنا ہاشمی کے بعد سید محمد قادری ایک باکمال شاعر گذرے ہیں جو غالباً ولی کے ہمعصر تھے ان کا تخلص خاکی تھا، اور ان کا مکمل دیوان ۱۱۴۲ھ کا لکھا ہوا مولنا حبیب الرحمن شروانی کے کتب خانہ میں موجود ہے اس میں ایک دو ریختیاں بھی ہیں جو ہندی شاعری کا نمونہ ہیں،

مگر اس میں شک نہیں کہ ان کے سوا اور کسی کا کلام اس طرح کا نظر سے نہیں گذرا اس کے زندہ کرنے اور رواج دینے کا طرۂ افتخار مرزا سعادت یار خاں رنگیں اور ان کے دوست سید انشا اللہ خاں کے حصہ کا تھا جو انہیں حاصل ہوا،

سید انشا فرماتے ہیں،

میں ترے صدقے نہ رکھ اے مری پیارے روزہ	بندی رکھ لیگی ترے بدلے ہزاری روزہ
چبھتی ہے یہ نگوڑی مسلسل کی اوڑھنی	لادے دہی ردا مجھے ململ کی اوڑھنی

رنگین

میں وہ تو اوڑھنے کی نہیں کل کی اوڑھنی	باجی مجھے منگادے جھلاجھل کی اوڑھنی
آئی ہے جگ کر ہیں مرے لوگو دوڑیو	گھٹنے تلک تو سر سے مرے ڈھلکی اوڑھنی
گرمی کے مارے ناک میں آئی ہے میری جان	یہ کر کے رکھ پٹاری میں آنچل کی اوڑھنی
ذرا گھر کو رنگیں کے تحقیق کر لو	یہاں سے ہے کے پیسے ڈولی کہار و

(۴) اس عہد کا بہترین کارنامہ میر اثر کی مثنوی خواب و خیال اور میر حسن کی مثنوی گلزار ارم اور اس سے بھی بہتر ان کی دوسری مثنوی سحر البیان ہے جس نے اتنی قبولیت حاصل کر لی تھی کہ آج تک کسی مثنوی کو نصیب نہیں ہوئی،

اس مثنوی میں روزمرہ اور محاورہ کی صفائی قافیوں کی نشست ترکیبوں کی چستی اور مصرعوں کی برجستگی کے علاوہ، ربط کلام کی خوبی اور ہر بیت کو دوسرے بیت سے ایسا گہرا تعلق جیسے زنجیر کی ہر کڑی کو دوسری کڑی سے ہوتا ہے اور مطالب اس صفائی سے ادا کئے ہیں کہ اگر انہیں کو نثر کر دیا جائے تو نثر کا بیان نظم سے کچھ زیادہ صاف اور مربوط نہ ہوگا،

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جو حالت کسی شخص یا کسی چیز یا مکان کی بیان کی ہے وہ لفظاً و معنیً اس قدر عادت کے موافق ہے جیسی کہ فی الواقع ہوا کرتی ہے،

جس وقت عاشق و معشوق اتفاقاً ایک دوسرے سے روشناس ہوتے ہیں پھر جب ان میں جدائی ہو جاتی ہے پھر جب وہ ملتے ہیں غرض کہ جس جس واقعہ کی تصویر کھینچی ہے وہ صفائی اور سادگی کے ساتھ اس قدر مؤثر و دلگداز ہے کہ جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے،

میں نے اس مثنوی کی دو ایک داستان میر حسن کے ذکر میں انتخاب کی ہیں اس لئے یہاں انکا دہرانا ضرور نہیں انتخاب کے وقت میں نے بہت کوشش کی کہ ہر داستان میں سے بہت بہت سے اشعار نکال کر اس کو مختصر کروں مگر ربط کلام کی خوبی نے مجھکو کامیاب نہیں ہونے دیا،

دور سوم | اس دور میں نصیر، ممنون، ذوق، ظفر، مومن، غالب، تسکین، اور شیفتہ، کا ذکر کیا گیا ہے، ان لوگوں کا سب سے بڑا کارنامہ زبان کی اصلاح اور درستی ہے جو نامانوس الفاظ دور دوم تک باقی رہ گئے تھے ان کو انھوں نے دور کر کے روزمرہ اور محاوروں کے ساتھ فارسی ترکیبوں کی نہایت لطیف اور خوشنما ترکیبوں سے اردو میں اتنی شیرینی اور گھلاوٹ پیدا کر دی جو دیکھنے کے قابل ہے،

نصیر کی شاعری کی ابتدا دور دوم کی شاعری کی انتہا سے جاملی ہے اس واسطے ان کے ابتدائی کلام میں آیاں جائیاں، ٹک، ہنت، اور بعض جگہ اسی طرح کی اکھڑی اکھڑی بندشیں ہیں جو مصحفی اور انشا کے کلام میں پائی جاتی ہیں مگر اخیر اخیر میں ان کا کلام بھی صاف ہو گیا ہے،

اس گروہ میں ذوق اور ظفر روزمرہ اور محاورہ بندی میں سب سے فائق ہیں، ممنون، مومن، اور غالب کے ہاں خیال آفرینی کے ساتھ فارسی ترکیبیں زیادہ داخل ہو گئی ہیں اور بول چال کا لطف ذوق و ظفر کے نسبت ان کے ہاں کم ہے تاہم ان سب لوگوں کے کلام میں کسو، کبھو، تئیں، آن کے، بھیت، ہمت، آئے ہے، جائے ہے، دیکھیو، کیجیو، لیجیو، ورے، پرے، پنھانا، بٹھانا، سدا، بمعنی ہمیشہ، زور، بمعنی عجیب یا نہایت، بہت بے تکلفی سے کلام میں لائے گئے ہیں،

(۲) ولی سے لیکر مصحفی تک عموماً انداز بیان میں صفائی، سادگی روزمرہ کی پابندی بیان میں گھلاوٹ

اور زبان میں لچک پائی جاتی ہے، اس دور میں نصیر نے مضمون آفرینی کی بنیاد ڈالی اور بعید الفہم استعاروں سے کام لیکر اور مشکل و سنگلاخ زمینوں میں شعر کہکر اس کو تنگ و تاریک کردیا ہے، اگرچہ ان کے ہاں بھی محاورہ جہاں آجاتا ہے شعر میں تڑپ پیدا کردیتا ہے مگر بیشتر حصہ ان کے کلام کا بے لطف و بے رنگ ہے،

ذوق کے کلام میں عموماً زبان کا چٹخارہ اپنے معاصرین سے زیادہ ہے مگر وہ بھی جہاں مضمون آفرینی کرتے ہیں صفائی سے دور جا پڑتے ہیں ظفر کا تمام دیوان زبان کی صفائی اور روزمرہ کی خوبی میں یکساں ہے لیکن اس مین تازگی خیالات بہت کم پائی جاتی ہے.

ممنون، مومن، غالب اور ان کے متبعین تسکین و شیفتہ کے ہاں تازگی خیالات کے ساتھ فارسی ترکیبوں کا اثر غالب ہے خصوصاً مومن اور غالب نے جہاں بے اعتدالی سے کام لیا ہے وہاں ان کا کلام رتبہ سے بہت گر گیا ہے، نمونہ کے طور پر چند اشعار اس دور کے شعرا کے مین پیش کرتا ہون جن میں روزمرہ اور محاورہ بہت خوبصورتی سے کام میں لایا گیا ہے،

ذوق — کہے ہے خنجر قاتل سے یوں گلو میرا، کہ جو مجھ سے کرے تو بے لہو میرا

ظفر — سر تلک دست ستم جوں ہی ترا قاتل رہا، خون جسم ناتواں تل تل گھٹا تل تل بڑھا

ممنون — رات تھوڑی حسرتیں دل میں بہت، صلح کیجے بس لڑائی ہو چکی

نصیر — نصیر اس کج ادا کی کج ادائی کوئی جاتی ہے، مثل مشہور ہے رسی جلی لیکن نہ بل نکلا

مومن — کیسے گلے رقیب کے کیا طعن اقربا، تیرا ہی جی نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں،

غالب — رونے سے اور عشق میں بیباک ہو گئے، دھوئے گئے ہم ایسے کہ بس پاک ہو گئے

گرچہ ہے طرز تغافل پردہ دار راز عشق، پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ وہ پاجائے ہے

شیفتہ — شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ، ہے آگ سی جو سینہ کے اندر لگی ہوئی،

یوں وفا اٹھ گئی زمانے سے، کبھی گویا جہاں میں تھی ہی نہیں

تاتاریون کے وزیر علامہ رشید الدین فضل اللہ
کے
چند خطوط و مکتوبات
اور
تمدن اسلامی کا ایک تابناک منظر،

از
سید نجیب اشرف ندوی،

چنگیز و ہلاکو خان اور ان کی جاہل اولاد نے گو مسلمان قومون کو اپنی تلوار سے مفتوح کرلیا تھا لیکن کچھ دن بھی نہ گذرنے پائے تھے کہ مسلمانون نے اپنے علم سے ان فاتحون کو مفتوح کرلیا، ان کی عظیم الشان سلطنت کا جزو کل ان کے ہاتھون سے انجام پاتا تھا، بڑے بڑے مناصب مسلمانون کے ہاتھون مین آگئے، ہلاکو کی چند ہی پشتون کے بعد اباقا خان بادشاہ ہوا، اس عہد کا مشہور عالم و مورخ و طبیب علامہ رشید الدین فضل اللہ اس کے درباریون مین داخل ہوا اور شاہی طبیب مقرر ہوا،

اس کے جانشین غازان نے جو مسلمان ہو گیا تھا، ان کے کمال سے متاثر ہوکر ان کو اپنا وزیر بنالیا، وہ ۲۲ سال تک وزیر اعظم رہا اور اسی اثنا مین اس نے کثیر دولت اور عظیم شہرت حاصل کی لیکن اپنی دولت کو ذاتی عیش و آرام مین ضائع کرنے کی بجائے مدرسون، شفاخانون، مکتب خانون اور رفاہ عام کے دوسرے کامون مین صرف کیا، اور علمائے عہد کی قدر دانی و ہمت افزائی مین کوئی دقیقہ فروگذاشت نہین کی، اس نے اسی سلسلہ مین رفاہ عام اور ترقی و ترویج علوم کیلئے تبریز کے ایک خوشنما خطہ مین ایک عمارت کا سلسلہ تعمیر کراکر ربع رشیدی نام رکھا، ربع عربی

مین مقام بہار کو کہتے ہین، اور اس کو ہر قسم کے زیب و زینت اور قیمتی سامانون سے آراستہ و مرصع کیا اور اس کو علوم و فنون کا عجائب خانہ بنا دیا، اس کے جود و کرم کے مقناطیس نے دور دور سے اس عہد کے علما، و فضلا، اور شعرا کو اپنی طرف کھینچ لیا، ہر فن کے کامل اور استاد اس کی محفل ادب مین جمع ہو گئے تھے، اس زمانہ کے اکثر اہل قلم اور مصنفین نے ان کے نام سے بڑی بڑی کتابین لکھین کواٹرمیر نے اپنی تاریخ مغول (HISTOIRE DES MONGOLS) مین ان کے ساز و سامان ترتیب و تنظیم اور نظم و نسق کے متعلق بہت کچھ لکھا ہی، لیکن افسوس کہ ہر ضروری احتیاط کے باوجود جولائی ۱۳۱۹ء مین وہ حاسدین دربار کی سازشون کی جال مین پھنسکر بادشاہ کے حکم سے قتل ہوا اور اس سے زیادہ افسوس یہ ہی کہ علامۂ موصوف نے جن علمی اور رفاہِ عام کے کامون پر اپنی تمامتر دماغی قوت اور مال و دولت خرچ کیا تھا وہ غارتگرون کے ہاتھون سے ہمیشہ کیلئے تباہ و برباد ہوگئے لیکن علمی دنیا کو ڈاکٹر براون کا ممنون ہونا چاہئیے کہ اس کی تباہ و برباد شدہ یادگارون مین سے ایک قائم و باقی یادگار کا پتہ لگایا ہی، یہ علامۂ موصوف کے تقریباً پچاس خطوط کا مجموعہ ہی، یہ خطوط مختلف اشخاص کے نام ہین اور مختلف مباحث پر ہین، اور ان کے کاتب محمد ابرقوہی نے انکو جمع کیا ہی، ہم کو خوشی ہی کہ اس یادگار کو دنیا مین روشناس کرانے مین ایک ہندوستانی مسلمان کا ہاتھ بھی شامل ہی ڈاکٹر محمد شفیع نے جو براون صاحب کے ممتاز شاگرد اور اب اورنٹیل کالج لاہور مین عربی کے پروفیسر ہین، اپنے استاد کی خاطر اپنے قیام انگلستان کے زمانہ مین اسکا ضروری انتخاب کیا اور ڈاکٹر براون نے اپنی تازہ تصنیف تاریخ طب اسلامی مین اس سے فائدہ اٹھایا،

اس مجموعہ مین دس خطوط ادویہ اور ان کی ساخت کے متعلق ہین اور ڈاکٹر صاحب نے انہی خطوط کے اقتباسات اپنی کتاب مین دئے ہین، ہم بھی ناظرین معارف کی دلچسپی کیلئے ان خطوط کے کچھ مطالب اور نتائج یہان نقل کرتے ہین، ان سے جہان بہت سی نئی باتین معلوم

ہونگی، یہ بھی معلوم ہوگا کہ اسلامی تمدن اپنے زوال اور فنا کے ایام مین بھی کس قدر تابان اور روشن تھا،

خط نمبر ۱۸، یہ خط خواجہ علاء الدین ہندو کے نام ہی، اس مین ربع رشیدی تبریز کے لئے مختلف روغن طلب کئے گئے ہین، کیونکہ حکیم محمد ابن النیلی کے جو اس کے منتظم ہین بیان کے مطابق ان کی سخت ضرورت ہی، مطلوبہ روغن کی مقدار ایک من سے تین سو من تک ہے اور جن مقامات سے یہ روغن حاصل کئے جائین ان کو نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہی، شیراز مختلف پچیس قسم کے روغن مہیا کرے، بصرہ سات، ایشیائے کوچک چھ، بغداد نو، شام تین اور بلاد تین، ان مین سے اکثر معطر روغن ہین، جو مختلف خوشبودار پھول، مثلاً، بنفشہ، چنبیلی، نرگس، مختلف قسم کے گلابون، حنا، گل لیمون، اور اسی قسم کے دوسرے پھولون سے تیار کئے گئے ہین، لیکن اس کے ساتھ ہی ہم بابونہ، بید انجیر، مصطگی اور حتی کہ گزدم کے روغن بھی پاتے ہین، اس خط کے حاشیہ پر کاتب، مکتوب الیہ کو تاکید کرتا ہی کہ یہ کام فوراً انجام دیا جائے تاکہ وقت ضایع نہو، نیز مذکورہ مقامات پر الگ الگ ایک قاصد روانہ کیا جائے،

خط نمبر ۱۹، یہ خط رشید نے اپنے بیٹے امیر علی والی بغداد کو لکھا ہی، اس مین ہدایت کی ہی کہ کس طرح فضلائے وقت کو تمام ایرانی حکومت مین جیحون سے لیکر جمنا تک اور مغرب مین ایشیائے کوچک سے لیکر مصری سرحد تک تحفے اور نذرانے دئے جائین، یہ نذرانہ ہر حالت مین ایک خاص رقم، ایک معمولی خلعت اور سواری پر مشتمل ہوتا تھا، ان ۹۴ آدمیون مین جن کے نام تحفون کے لئے لکھے گئے ہین صرف محمد ابن الیاس نامی طبیب کو ایک ہزار دینار نقد، اور سبز خلعت اور ایک خچر مع زین ملا ہے،

خط نمبر ۲۱، یہ خط رشید نے اپنے بیٹے جلال الدین والی ایشیائے کوچک کو لکھا ہی، کہ وہ تبریز مین شفاخانہ کیلئے، سالانہ پچاس من سے سو من تک ذیل کی چھ دوائین بھیجا کرے، (۱) تخم انیسون،

(۲) غرفون (۳) مصطگی (۴) گل صیمم (۵) اکاس بیل (۶) افسنتین رومی،

خط نمبر ۲۹، یہ خط ملتان (سندھ) سے مولنا قطب الدین کو شیراز لکھا گیا تھا، نامہ نگار اس بات کی شکایت کرتا ہی کہ روسی ارغون کی تلون مزاجی سے ایران کی خوشگوار زندگی کو چھوڑ کر **ہندوستان** کا دشوارگذار سفر اختیار کرنا پڑا ہی تاکہ یہان کے حکمرانون اور بادشاہون پر اس کی عظمت و وسعت کا اظہار کیا جائے، بعض وہ دوائین جمع کیجائین جو ایران مین دستیاب نہین ہوتین، وہ اپنے کام کی کامیابی پر اظہار طمانیت کرتا ہوا اپنی قریب واپسی کی اُمید ظاہر کرتا ہی، اور اسی سلسلہ مین وہ اس واقعہ کو بیان کرتا ہی کہ کس طرح اس نے حکایات و اشعار کے ذریعہ سلطان علاء الدین (بادشاہ ہند) کو شراب کی خرابی بتاکر اس سے باز رکھنیکی کوشش کی اور بادشاہ نے اس پر منقبض ہونے کی بجائے میرے لئے اور میرے بعد میرے لڑکے کیلئے ایک معقول وظیفہ مقرر کر دیا،

خط نمبر ۳۶، یہ ایک طویل خط ہی، یہ خط اس وقت لکھا گیا تھا جب کہ رشید بیمار تھا اور وہ اپنی اس بیماری کو مرض الموت سمجھتا تھا، اس مین اس کی ملکیت و جائداد کی تقسیم اور اس کے اوقاف کے نظم و نسق کے متعلق نہایت مکمل ہدایات ہین، اسی سلسلہ مین وہ اس کتبخانہ کا تذکرہ کرتا ہی جو اس نے ربع رشیدی کی نذر کیا ہی، اس مین ایک ہزار قرآن مجید ہین جن مین سے اکثر ماہرین فن کے اعلیٰ کمال کے نمونے ہین، ان کے علاوہ ساٹھ ہزار دوسری علمی اور حکمی کتابون کے نسخے ہین، جن مین بہت سے چین اور ہندوستان سے لائے ہوئے نسخے بھی شامل ہین، اس نے ان ایک ہزار چینی کے شربت کے گھڑون کا بھی تذکرہ کیا ہی جن پر ان شربتون کے نام لکھے ہوئے ہین، اور معجون کے چینی صندوقون کا بھی حوالہ دیا ہی،

خط نمبر ۴۰، یہ خط رشید نے اپنے ایک ایجنٹ کو اناطولیہ کو چک مین لکھا ہی، اس مین اس نے ہدایت کی ہی کہ ان علمائے مغرب یعنی مراکش اور اسپین کے علما کو جنہون نے اس کیلئے کتابین لکھی

تھین، مالی نذرانے پیش کئے جائین، اس مین دس علماء کا نام ہی، ان مین سے چھ **قرطبہ**، **سوائل**، اور **اندلس** کے دوسرے حصون کے رہنے والے ہین، اور باقی چار **ٹونس**، **طرابلس**، اور **قیروان**، کے ہین،

اس خط کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب فرماتے ہین کہ اس سے اسلام کے استحکام و مضبوطی کا پتہ چلتا ہی اور یہ ظاہر ہوتا ہی کہ کس طرح ایک علم دوست امیر ان ملکون کے اہل علم کی بھی ترغیب و سرپرستی کرتا ہی جو سیاسی حیثیت سے اس سے کوئی تعلق نہ رکھتے ہون، اسی سلسلہ مین ڈاکٹر صاحب کہتے ہین کہ "ان دنون ہم لوگ وسائل مراسلات کی آسانی اور ارزانی پر نازان ہین لیکن یہ ذرا قابل غور ہے کہ اس قدیم عہد مین کس طرح ایک کتاب، ایک خیال، یا فلسفیانہ اصول اس قدر جلد ٹونس سے **تبریز** یا **سوائل** سے **سمرقند** پہنچ سکتا ہی، یہ تھا اسلام کے اتحاد اور اس کی عام زبان عربی کا اثر"

خط نمبر ۴۱، فارس کے اتابکون نے شیراز مین ایک شفاخانہ قائم کیا تھا، لیکن ایک صدی کی گردش ایام مین وہ روبہ انحطاط ہوگیا تھا، اس خط مین اسی کی دوبارہ تعمیر کے متعلق ہدایات ہین، اس خط مین رشید محمود بن الیاس نامی ایک طبیب کو اس کام پر مقرر کرتا ہی، اس طبیب نے رشید کیلئے لطائف رشیدیہ لکھی تھی،

یہ نہین معلوم کہ اب یہ کتاب دنیا مین کہین موجود بھی ہے یا نہین، فونن نے اس مصنف کی ایک کتاب تحفۃ الحکماء کا تذکرہ کیا ہی، یہ نسخہ قسطنطنیہ کی نور عثمانیہ لائبریری مین ہے،

اس خط مین اس طبیب کی سالانہ تنخواہ مقرر کیگئی ہے اور شفاخانہ کا انتظام اس کے سپرد کیا گیا ہے،

خط نمبر ۴۲، یہ خط تمامتر رشید کے وطن ہمدان کے شفاخانہ کے متعلق ہے، منتظمین کی خیانت کی بنا پر اس کا حال نہایت ہی ابتر تھا، ابن مہدی نامی ایک نیا طبیب اس کام کیلئے مقرر

کیا جاتا ہی اور اس کو بیمارون کے علاج اور دواؤن کے مہیا کرنیکی خاص ہدایتین دیجاتی ہین، ان دواؤن
مین بعض ان ادویہ کے نام بھی ہین جو سہل الحصول نہین ہین، مثلاً طین مختوم، روغن بلسان، ساذج
ہندی، (تیزیات) تریاق، فاروق وغیرہ حسابات کے باقاعدہ رکھنیکا بھی حکم ہی، اور طبیب کو تمام انتظامات
درست کرکے اور ایک عطار، ایک جراح ایک باورچی اور دوسرے ضروری آدمیون کو مقرر کرنے کے
بعد تبریز واپس بلایا گیا ہی تاکہ مزید مرحمت خسروانہ سے سرفراز ہو؛

یہ خط ان بعض خوش قسمت خطوط مین سے ہی جن پر تاریخ پڑی ہوئی ہی چنانچہ یہ خط قیسار یہ (ایشیائے
کوچک) سے ۶۹۰ھ (۱۲۹۱ء) مین لکھا گیا ہی؛

خط ۴۷، یہ خط سلطان علاء الدین نے رشید کو لکھا تھا، اس مین اس کے رفاہ عام کے کامون،
بنی نوع انسان کی خدمات اور ولولۂ انسانیت کو بہت کچھ سراہا گیا ہی، اس خط مین ان تحائف کی
فہرست ہی جو سلطان موصوف نے رشید کو بندرگاہ بصرہ پر روانہ کئے ہین، یہ تحائف بارہ عنوانون کے
تحت مین ہین:- (۱) پوشاک (۲) قیمتی پتھر (۳) عطریات (۴) عجیب جانور (۵) مربے (۶) ادویہ
ومفردات (۷) مسون کے غائب کرنیکا عرق (۸) اسباب چرمی (۹) خوشبودار تیل (۱۰) رکابیان
اور چینی کے برتن (۱۱) پنیان اور خشک میوے (۱۲) قیمتی لکڑی اور ہاتھی کے دانت، دواؤن کی
فہرست سب سے لمبی ہی اور اس مین ۲۲ نام ہین؛

خط ۵۱، یہ خط رشید نے اپنے بیٹے سعد الدین والی قنسرین اور العواصم واقع ایشیائے کوچک
کو لکھا تھا، اس مین اس نے ان علماء وفضلا کی جماعت کثیر کا حال لکھا ہی جو اس کی سخاوت، قدردانی
اور ہمت افزائی کی وجہ سے وہان جمع ہوگئی ہی، اور جس کی وجہ سے اطراف ربع رشیدی مین چہل
پہل پیدا ہوگئی ہی؛

اس ربع رشیدی مین ۲۴ کاروان سرائین ۱۵۰۰ کارخانے، اور ۳۰۰۰ خوبصورت مکانات

ہین، باغ، حمام، دوکانین صنعت گاہین، بننے اور رنگنے کے کارخانے، کاغذ سازی کا کارخانہ اور
ٹکسال ان کے علاوہ ہین، مختلف شہرون اور ملکون کے لوگون کو نہایت ہی احتیاط سے انتخاب کرکے
یہان بسایا گیا ہی، یہان دو سو تنخواہ پانیوالے قرآن خوان ہین جو مقررہ وظیفہ پر روزانہ مسجد مین تلاوت
کرتے اور چالیس قاریون کو تعلیم دیتے ہین، یہان ایک کوچۂ علماء ہی اس مین ۴۰۰ صوفی مفتی،
فقیہ اور محدث رہتے ہین، ان کو معقول تنخواہین اور معاوضے ملتے ہین، اور اس کے اطراف کے
مکانات مین ایک ہزار شائق طلباء رہتے ہین، جو مختلف اسلامی ممالک سے وہان آئے ہین اور
اپنے مذاق کے مطابق علوم کی تحصیل کرتے ہین؛ ہندوستان، چین، مصر، شام اور دوسرے ممالک
سے پچاس تجربہ کار وہشیار اطباء بلائے گئے ہین ان مین سے ہر ایک کو دس دس طلباء دئے گئے
ہین، اور ان کے کام شفاخانون مین مقرر ہین جن کو وہ طلباء کے ساتھ ملکر انجام دیتے ہین؛ ان کے
علاوہ شفاخانون مین جراح، کحال اور استخوان بند بھی ہین، ان مین سے ہر ایک کے ساتھ بھی پانچ
پانچ طالبعلم ہین، یہ سب کے سب رشید آباد کے باغ کے پاس شفاخانہ کی پشت پر کوچۂ معالجان مین رہتے
ہین،

ناظرین! ہم نے ان خطوط کا بے ترتیب لفظی ترجمہ کردیا ہی، اس آئینہ مین تمدن اسلام کا جو عکس
نظر آتا ہی، غور کرو کہ وہ کس قدر روشن اور تابان ہی، اسلامی ملکون کا اتحاد، علمی رونق، مدارس کی چہل
پہل، شفاخانون کا اہتمام وانتظام، سلطنتون کی تعلیمی کوششین، علماء کی قدردانی ارباب کمال کی
کثرت، کارخانون اور صنعت گاہون کی گوناگونی، ہر چیز اس خزان رسیدہ باغ کی بہار کی خبر دیتی ہی؛

نفسیات ترغیب

از مولوی وہاج الدین احمد صاحب بی۔ اے دار المعلمین حیدرآباد دکن

جذبہ اور استدلال کا تعلق

انسان اور دیگر حیوانات مین، اگر کوئی شی مابہ الامتیاز ہوسکتی ہی، تو وہ تعقل اور استدلال کا مادہ ہی، جو قدرت نے انسان مین ودیعت رکھا ہی، اور جس سے مؤخر الذکر محروم ہین؛ اسی بنا پر حضرت انسان اپنے آپ کو اشرف المخلوقات کا خطاب دئے بیٹھے ہین، اور حیوانات کو، جو جذبہ اور فطرۃ کی تحریک سے مجبور ہوکر فی الفور کوئی کام کرگذرتے ہین، نظر حقارت سے دیکھتے ہین، اور خود ان کی جنس کا کوئی فرد اگر مغلوب الجذبات ہوکر بغیر منطقی دلائل سے کام لئے ہوئے، کوئی فعل کرتا ہی تو اسے صفات بہیمیہ سے متصف قرار دیتے ہین، زیادہ مقام تعجب یہ ہی کہ عوام سے قطع نظر، خود قدیم ماہرین نفسیات بھی ہماری زندگی کے عقلی و استدلالی رخ سے بحث کرتے رہے ہین اور اسکے جذبی اور فطرتی رجحانات کو حقیر سمجھکر نظر انداز کرتے رہے ہین، بہرحال کسی قدر مقام شکر ہی کہ زمانہ موجودہ مین جو زبردست تغیرات نفسیات مین رونما ہوئے ہین، اور جنھون نے اس کے قدیم قصر کی بنیاد کو متزلزل کردیا ہے، ان مین سے ایک یہ بھی ہی کہ زندگی انسانی مین جذبات، اور دیگر جبلی رجحانات سے بحث کرکے ان کی اہمیت کے لحاظ سے ان کو ایک علحدہ رتبہ دیا گیا ہی، اور زمانہ گذشتہ کی طرح، عقل اور استدلال کی قربان گاہ پران صفات انسانی کی بھینٹ نہین چڑھائی گئی ہے، کیا کوئی شخص بتا سکتا ہی کہ کتنے فیصدی انسان ایسے ہین جو روزانہ اپنی زندگی مین پہلے ٹھنڈے دل سے فعل کے نتائج پر غور کرتے ہون، اور پھر وہ فعل کرتے ہون، برخلاف اس کے کیا یہ واقعہ نہین ہی کہ انسان کے ہر فعل کی تہ مین خود اس مین کتنی ہی ظاہرا منطق اور استدلال سے کام کیون نہ لیا گیا ہو، ایک نہ ایک جذبی یا جبلی محرک کام کرتا رہتا ہی، کیا ایسا کرنا طبائع انسانی کیلئے باعث ننگ ہی؟ کیا جذبات کی تحریک، یا فطرت کے غلبہ سے متاثر ہوکر کوئی فعل کرنا انسان کو بہیمیت کے الزام کا سزاوار بنا دیتا ہی؟ ہمارا خیال ہی، بلکہ ہمارا اعتقاد ہی کہ ایسا ہرگز نہین ہی، کیا بسا اوقات فوری کام کرنا

اور عقلی اور منطقی بحث مین نہ پڑنا انسان کو فرائض انسانیت کی ادائگی مین مدد نہین دیتا؟ کیا جذبات کی فوری تحریک حیات انفرادی و ملی مین ہماری معاون نہین ہوتی؟ کیا ایک محتاج کو جذبۂ ترحم سے مجبور ہوکر فی الفور خیرات دینا زیادہ مستحسن ہی یا یہ کہ استدلال اور منطق سے بحث کیجائے، معاشیات کے مسائل پر غور کیا جائے اور بالآخر یہ نتیجہ اخذ کیا جائے کہ اس کو خیرات دینا اس کو مجہول بنانا اور قوم کے ناکارہ افراد کی تعداد مین ایک اور اضافہ کرنا ہی! ہم مانتے ہین کہ گو دنیا دی لغزشین خود غرضانہ جذبات کی کورانہ تقلید کی بدولت، رونما ہوتی ہین، ہم تسلیم کرتے ہین کہ جرائم بھی زیادہ تر غلبۂ جذبات ہی کا نتیجہ ہین لیکن ہم اس حقیقت کے اظہار سے باز نہین رہ سکتے کہ اگر کوئی چیز فنون لطیفہ یا سائنس کا منبع ہی اور زندگی کی بہترین نعمات کے لئے وسیلہ ثابت ہو سکتی ہے تو وہ "جذبہ" ہی نہ کہ "دلیل منطقی"، اس مین شک نہین کہ ہماری فطرت کے عناصر ترکیبیہ مین جذبات کی حیثیت ایک غیر استدلالی حیثیت ہی یعنی یہ کہ ان مین استدلال اور تعقل سے کام نہین لیا جاتا، لیکن جذبات کا غیر استدلالی ہونا ان کے مخالف عقل ہونے کو مستلزم نہین ہی، یہ کہنا غلط ہی کہ جذبہ عقل یا دلیل کی سند ہے، اس لئے کہ جذبہ کی تحریک ہماری عقل یا استدلال کی دشمن نہین، جو ہماری آنکھون پر جہالت کا پردہ ڈال کر ہم کو اندھے کوئین مین ڈھکیل دے، اس باب مین یہ ثابت کرنیکی کوشش کیجائیگی کہ عمل ترغیب بالاصل ایک جذبی عمل ہی، جو بجائے عقل کے، ہمارے جذبات، وجدانات، اور جبلت کے زیادہ زیر نگین ہی، اگرچہ اس جملہ سے اس امر کی توجیہ ہو جاتی ہی کہ اکثر لوگ ترغیب کے اثر سے متاثر ہوکر یا اس سے کام لیکر خود کس طرح فریب کھاتے ہین، یا دوسرون کو دہوکا دیتے ہین، تاہم ترغیب کی اس خاصیت کی بنا پر کہ یہ جذبات پر منحصر ہی اس کو استدلال عقلی کا مخالف اور اس لئے قابل تحقیر ٹھرانا غلط نتیجہ اخذ کرنا ہی، جیسا کہ سطور ذیل مین ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے،

ترغیب کی اساس

ترغیب کا خواہ وہ ذاتی ہو یا صفاتی، بہرحال مین آغاز کسی نہ کسی خواہش یا اعتقاد سے ہوتا ہی، جب کبھی کسی مسئلہ پر ہمارا کوئی ذاتی اعتقاد ہوتا ہی یا کسی خاص طرز عمل کی پیروی کی خواہش ہمارے دل پر مسلط

ہوتی ہو تو ہم فوراً اپنے اعتقاد کو حق بجانب، اور اس کی وجہ سے جو افعال سرزد ہون، ان کو مستحسن ثابت کرنیکی کوشش مین منہمک ہو جاتے ہین، دیکھو، جب ایک خطیب، منبر پرسے دریائے فصاحت بہاتا ہی یا ایک پولٹیکل سفر کسی سیاسی مقصد کی تبلیغ واشاعت کی غرض سے اپنے سامعین کے دلون کو ہلا دیتا ہی، یا ایک مدبر سلطنت ایوان مباحثہ مین گرمیٔ استدلال سے اپنے مخالفین کے دانت کھٹے کر دیتا ہی تو ہر صورت مین، آغاز گفتگو سے قبل ان حضرات کے دماغ مین کسی نہ کسی خواہش یا اعتقاد کا وجود ہوتا ہی جو ان کے دلائل وبراہین کے لئے سرچشمہ کا کام دیتا ہی، اور جتنی زیادہ وضاحت اور تیقن کے ساتھ یہ خواہش یا اعتقاد ان کے دماغ مین موجود ہوتا ہی، اسی اعتبار سے ان کی ترغیب کم وبیش موثر ہوتی ہی، اسی طرح سے جب ہم خود اپنے دل کو کسی قسم کی ترغیب دیتے ہین تو ہمارے خیال مین کسی نہ کسی خواہش یا اعتقاد کا ہیولیٰ قبل از قبل موجود رہتا ہی جس کو بجا ثابت کرنا، ترغیب ذاتی کا اصل مقصد ہوتا ہی، ترغیب اور منطق مین جو حقیقی اختلاف ہے وہ یہی ایک نہ ایک خواہش یا اعتقاد کا قبل از قبل موجود رہنا ہے،

منطق اور ترغیب کا فرق ہر منطق عقلی کی غایت یہ ہوتی ہی کہ یا تو دو واقعات مین علاقۂ علت ومعلول دریافت کیا جائے، یا کسی واقعہ کی توضیح کر کے اس کو ثابت کیا جائے، فرض کرو کہ تمہارا مقصد یہ دریافت کرنا ہے کہ ایک موم بتی کن حالات کے ماتحت روشن رہ سکتی ہی، اس کا جواب، کئی تجربات دکھانے اور پھر دلیل استقرائی سے کام لینے سے بہت آسانی کے ساتھ فراہم ہو سکتا ہی اتنی بات تو ہر شخص تسلیم کریگا کہ ہر منطقی وعقلی بحث مین اصل مقصد صحیح نتیجہ تک پہونچنا ہوتا ہی نہ کہ خواہ مخواہ کسی نتیجہ کا قبل از قبل تعین کر کے اس کے ثابت کرنیکی کوشش کرنا، اگر تم اعتراض کرو کہ منطقی بحث کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ مفروضہ نتیجہ قائم کر کے اس کے صحیح یا غلط ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو بھی تم کو یہ ماننا پڑیگا کہ نتیجہ کا صحیح یا غیر صحیح ہونا محض فرضی ہوتا ہی، نہ یہ کہ ایک بات کو لامحالہ صحیح مان لین، اور پھر بحث کو الٹ پھیر کر، غلط یا صحیح دلائل سے کام لیکر، اس کو خواہ مخواہ صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرین، منطقی دلیلون سے مظاہر

قدرت کی توجیہ یا ان کے ثبوت مین بہت کچھ مدد ملتی ہی اس لئے کہ ان مین تجربہ کا امکان ہی، مگر انسانی زندگی مین بالخصوص انسانی ترغیبون مین منطقی طریقون سے کام لینا ذرا دشوار ہی، ہم یہ نہین کہتے کہ انسان دلائل سے کام ہی نہین لیتا نہین بے شک لیتا ہی، خاص کر دوسرون کے افعال کی اچھی طرح چھان بین کرتا ہی، دو ممکنہ صورتون مین سے کسی ایک کا انتخاب، ان کے باہمی مقابلہ وموازنہ کے بعد کرتا ہی، دوسرون کے بتلائے نتیجون کو بغیر کافی جرح وتحقیق کے قبول نہین کرتا ہی، یہ سب کچھ ہی لیکن عمل ترغیب بہ نسبت اس طریقۂ منطقی کے زیادہ عام ہی بجائے اس کے کہ بحث کے بعد کسی عقیدہ کو صحیح یا غلط ٹھرایا جائے، پہلے کسی خواہش یا اعتقاد کو تسلیم کر لیا جاتا ہے اور پھر بحث کیجاتی ہی جو بالعموم یکطرفہ ہوتی ہی منطق اور ترغیب کے طریقون مین یہی وجہ باعث اختلاف ہی،

انسان، اور انسانیت کے متعلق جو کچھ بھی ہمارے راسخ اعتقادات ہوتے ہین وہ استدلال کا نتیجہ نہین ہوتے، بہت سے نیم شعوری اثرات، بہت سے غیر استدلالی اسباب اپنا عمل کرتے رہتے ہین، اور ہمارے اعتقادات پر اثر ڈالتے ہین، اپنے کسی اعتقاد کو ٹٹولو، اس کا اچھی طرح جائزہ لو، تو تم کو معلوم ہو جائیگا کہ اس اعتقاد کو تسلیم کرنیکی وجہ بجز اس کے تمہارے پاس اور کچھ نہین ہی کہ تم اس کو اپنی مرضی اور نجی خواہشات کے موافق پاتے ہو، یا اس کی وساطت سے جذبات کی تشفی کر سکتے ہو، یا ماحول اور تعلیم کے اثر کی وجہ سے یہ اعتقاد تم مین سرایت کر گیا ہی، یا یہی اعتقاد تمہارے آباد اجداد کا تھا، اور تمہارے ہمسایون کا بھی ہی لہذا تم بھی اس کو مانتے ہو، اور تسلیم کرتے ہو، اب نظر انصاف سے دیکھو کہ اس اعتقاد کے تسلیم کرنے مین تم نے کس حد تک منطق اور استدلال سے کام لیا؟ کیا اب بھی تم کو یہ ماننے سے انکار ہوگا کہ اس اعتقاد کے متعلق جو کچھ عمل ترغیب ہوا، اب خواہ وہ ذاتی ہو، یا دوسرون نے تم کو ترغیب دی ہو، وہ کم وبیش تمہارے شعور سے باہر رہا، ترغیب ذاتی کی بنا کسی نہ کسی خواہش یا اعتقاد پر ہوتی ہی جو ہمارے لئے خارج از شعور ہے، بسا اوقات کل طریقۂ ترغیب، حالت بیخودی اور نفس کی لاعلمی مین ہوتا ہی، ہم صریحاً اپنے آپ کو کسی خاص فعل کی ترغیب دیتے ہین، لیکن نفس واقف نہین ہوتا، ہمارے شعور کی خوردہ گیر نظرین وہان تک نہین پہونچتین مخفی جذبات اور خواہشات کی تحریک ہم کو جدھر

چاہتی ہی، لیجاتی ہی، یہ تو خیر ترغیب ذاتی مین ہوتا ہی، لیکن جب ہم دوسرون کو ترغیب دیتے ہین تو اگرچہ اس ترغیب کا محرک بھی کوئی اساسی عقیدہ یا خواہش ہوتی ہی، لیکن یہ ہمارے شعور مین ہوتی ہی، ہمارا نفس نہ صرف اس سے واقف ہوتا ہی، بلکہ دیدہ و دانستہ، ایک خاص ترتیب و انتظام کو مدنظر رکھتے ہوئے، دوسرون پر اس اعتقاد یا خواہش کا سکہ جمانا چاہتا ہی، خلاصہ یہ کہ ترغیب خواہ ذاتی ہو یا صفاتی ہر صورت مین اس کا مدعا یہ ہوتا ہی کہ ان اعتقادون اور خواہشون کو جنکو ہم بالارادہ یا بغیر ارادہ قبول کرچکے ہین، اپنے نفوس سے اور دوسرون کے نفوس سے بھی "منوا دیا جائے، اور وہ بھی ہمارے شریک خیال یا شریک عمل ہوجائین،

ہم نے اب تک الفاظ، اعتقاد و خواہش، کا اس طرح استعمال کیا ہی گویا یہ مرادف الفاظ ہین، اگرچہ عرف عام مین یہ الفاظ مختلف معنی رکھتے ہین، لیکن جہان تک ترغیب کا تعلق ہی ان کی حیثیت اور ان کا مفہوم ایک ہی ہی، جس کیفیت نفس سے ترغیب کا آغاز ہوتا ہی اس مین دو عناصر پائے جاتے ہین، ایک عنصر ذہنی ہوتا ہے اور اسے ہم لفظ اعتقاد سے تعبیر کرتے ہین، دوسرا عنصر ذہنی نہین، بلکہ زیادہ تر عملی ہوتا ہی یعنی اس کا تعلق کم و بیش انسانی طرز عمل اور افعال سے ہوتا ہی، اس عملی عنصر کو خواہش کا نام دیا جاسکتا ہی، کہنے کو تو دونون مین مذکورہ بالا فرق ضرور ہے لیکن ترغیب مین دونون ایک ہوجاتے ہین، فرض کرو کہ ایک سیاسی مقرر ہندوستان مین سوراج کے مسئلہ پر گفتگو کر رہا ہی، اور لوگون کو اس کے حصول کے لئے آئینی جدوجہد کی ترغیب دے رہا ہی، اس کی ترغیب کی اساس جو شے ہی اس کو خواہش یا اعتقاد، دونون نام دئے جا سکتے ہین، اس کا اعتقاد ہی کہ ہندوستان کو سوراج ملنا چاہئے، اس کی خواہش ہی کہ ہندوستانیون کو سوراج مل جائے، اب بتاؤ ان دونون مین فرق کیا رہا؛ غور کرو تو معلوم ہوگا کہ دونون مین کسی آئندہ طرز عمل (مثلاً آئینی جدوجہد) کی طرف اشارہ پایا جاتا ہی، اور مقرر کی ترغیب کا منشا یہ ہی کہ اپنے سامعین کو اس طرز عمل کی پیروی کرنے کی کافی تحریک دے،

ترغیب کا اعمال و افعال انسانی پر اثر

مسئلہ ترغیب کی ایک ممتاز صفت یہ ہی کہ اس مین طرز عمل اور افعال انسانی سے کم و بیش بحث ضرور ہوتی ہی، مثال کے طور پر مہاتما گاندھی کے ترک موالات کو لو، انھون نے نہایت

غور و خوض کے بعد، یا کسی ہمدردانہ جذبہ کی تحریک سے یہ نتیجہ اخذ کیا، کہ ہمارے قومی تمول اور ترقی کیلئے اگر کوئی آلہ کارگر ثابت ہو سکتا ہی، تو وہ ترک موالات ہی، اس اعتقاد یا خواہش سے آغاز کرکے، انھون نے ترغیب، یا مہذب الفاظ مین کار تبلیغ و اشاعت شروع کیا، اور ایک شخص مسمی زید کو ترغیب دی کہ ترک موالات ضروری ہی، اب، اگر ہمارا فرضی زید مہاتما گاندھی کی موجودگی مین اپنے کو ترک موالات کا حامی ظاہر کرے، اور اسی روز اپنے بچون کیلئے ولایتی کپڑا خریدے تو کیا تم کہہ سکتے ہو کہ مہاتما جی کی ترغیب کامیاب ہوئی، ہرگز نہین، اگر ترغیب کامیاب ہوئی تو زید کے طرز عمل مین اس سے حتماً تبدیلی واقع ہوتی، اچھا اب فرض کرو کہ مہاتما جی کی تقریر نے زید کی قوت متخیلہ پر قبضہ کرلیا، ان کے طرز بیان نے اس کے جذبات پر اثر کیا، مختصر یہ کہ مہاتما جی کی ترغیب کامیاب رہی، اب زید کی کیفیت کیا ہوگی، دیکھو وہ ولایتی کپڑے کی دکان کی طرف جا رہا ہی، ارادہ ہی کہ کچھ کپڑا خریدے، جا تو رہا ہی، لیکن دل مین خیالات کا ہجوم ہی مہاتما جی کے یہ الفاظ "بھائیو! اپنے ملک کا کپڑا خریدو، اس سے تمھارے غریب بھائیون کا بھلا ہوگا، تمھاری قومی دولت تمھارے ہی دیس مین رہیگی۔۔۔" اس کے کانون مین گونج رہے ہین، ان خیالات نے زید پر اثر کیا، وہ دفعتہ رک گیا، کچھ دیر سوچتا رہا، اور پھر واپس لوٹ آیا، اب البتہ تم کہہ سکتے ہو کہ مہاتما جی کی ترغیب موثر ہوئی، کیونکہ نہ صرف زید کا اعتقاد، یا اس کی خواہش بلکہ اس کے طرز عمل، اور اس کے افعال پر بھی اثر ہوا،

ترغیب مین، انسانی طرز عمل پر اثر کرنیکی ایک خاص صفت ہی، اور اسی کی بنا پر مسئلۂ ترغیب کی ایک خاص اہمیت پیدا ہوگئی ہی، اور اپنے ابنائے وطن و ملک کو باعمل ترغیبون کے مضر اثرات سے بچانا، یا ان کو اچھے طرز عمل کی پیروی کی ترغیب دینا ہر بہی خواہ وطن کا فرض ہوگیا ہی،

جذبات کا عمل ترغیب مین حصہ

ہماری ترغیب کی اساسی خواہشات اور اعتقادات مستقبل کے طرز عمل کا ہیولیٰ قائم کرتا، یہ فطرت انسانی کے جذبی عناصر پر منحصر ہے، جملہ محرکات عمل کی تہ مین کسی نہ کسی جبلی خاصہ، جذبہ یا جوش کا پایا جانا لازمی ہی، یہ اندرونی قوتین ہماری ترغیب کو قوت پہونچاتی ہین، اور ہمین ایک خاص طرز عمل کی طرف

راغب کرتی ہین، ہم ہرگز کسی ایسے اعتقاد یا خواہش کو قبول نہین کر سکتے، نہ کسی ایسے طرز عمل کی پیروی کر سکتے ہین جو ہمارے جذبات کا ہم آہنگ نہو، دیکھو ایک شخص، دوران جنگ مین، اپنی خدمات فوج مین پیش کرتا ہے، ہمارے دوست کی اس خواہش کو خدا معلوم کون کون سے جذبات تحریک دے رہے ہون، ممکن ہی کہ ایک بدمزاج بیوی سے پیچھا چھڑانے اور چند روز "عیش" کی زندگی بسر کرنے کی سبب سے اس نے وطن چھوڑنا گوارا کیا ہو، ممکن ہی کہ نام آوری، اور اپنے ہم چشمون مین ممتاز حیثیت رکھنے کے شوق نے اس کو آمادہ کیا ہو، یا اس کے دل مین سیر و سیاحت کا خیال جاگزین ہوا ہو، ہو سکتا ہے کہ مذکورہ بالا صورتون مین سے کوئی بھی نہو، بلکہ خالص جذبۂ حب الوطنی سے متاثر ہو کر، یا ادائیگی فرائض انسانی کے جوش مین اس نے فوجی ملازمت کا ارادہ کیا ہو، بہرحال، کوئی بھی صورت کیون نہو، اس کی خواہش کی تکمیل کیلئے ایک ضروری شرط یہ ہے کہ علاوہ ذہنی اور خارجی اثرات کے، اس کے دل پر کوئی نہ کوئی جذبی تحریک مسلط ہونا چاہئے، خواہ اس کی قوت محرکہ کم ہو یا زیادہ، اس کی موجودگی لازمی ہی، ترغیب کی کامیابی کا، جذبی تحریکات پر یہ لازمی انحصار، اس مین اور منطق مین ایک اور اختلاف کا بھی پتہ دیتا ہی، اور وہ یہ ہے کہ منطق مین جذبات کی اپیل پر توجہ نہین کی جاتی، حالانکہ ترغیب کے لئے جذبہ کا، موجود رہنا ضروری ہی،

"ترغیب"، اور "منطق" مین بادی النظر مین تھوڑی سی مشابہت بھی پائی جاتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ ہر دو مین، فیصلون کا وجود ہوتا ہی، غور سے دیکھو تو یہ مشابہت بھی محض سطحی ہے، حقیقی نہین، اس لئے کہ دونون کے فیصلون مین زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہی، منطق کے فیصلہ باہم مربوط، اور توالی و تواتر لئے ہوئے ہوتے ہین، برخلاف اس کے ترغیب کے نام نہاد فیصلون مین توالی و تواتر درکنار باہمی ربط کا بھی پتہ نہین ہوتا، اگر ان مین یہ صلاحیت ہو کہ ہمین اپنے "بشرط مفتش" معینہ نتیجہ تک پہونچادین تو وہ قابل قبول خیال کئے جاتے ہین خواہ ایک فیصلہ دوسرے سے متضاد ہی کیون نہو، اگر ان مین اس قرار دادہ نتیجہ تک پہونچانے کی اہلیت نہین ہوتی تو انھین، رد کر دیا جاتا ہی، غرضکہ ترغیب مین فیصلے یکطرفہ ہوتے ہین، فریق ثانی کی اوادیر

کان نہین دھرے جاتے،

راحت مین جو مخل ہو، وہ کانٹا ہی راہ کا،

ہم ذیل مین ترغیب ذاتی کی ایک مثال درج کرتے ہین جس سے اس کے فیصلون کا یہ یکطرفہ عمل اچھی طرح سے ظاہر ہو جاتا ہی،

"انگلستان کے ایک مشہور اخبار نے حال مین کسی عورت کا قصہ لکھا تھا جس پر دھوکہ دہی کے الزام مین مقدمہ چلایا گیا تھا،۔ واقعہ یہ تھا، کہ ان لیڈی صاحبہ کی جو خود بھی حسین تھین چند نوجوان فوجی افسرون سے ملاقات ہو گئی، اب ان کو فکر ہوئی کہ ان لوگون سے راہ و رسم و ربط ضبط بڑھے تو ہم چشمون مین سر اٹھانیکا موقع ملے، مگر آپ جانئے ولایت کی سوسائٹی، تعلقات بڑھانے کے لئے یہ بھی ضرور تھا کہ ان کا لباس اور ظاہری حیثیت بھی اچھی ہو، روپیہ تو پاس تھا نہین، جس سے سامان زیبائش خرید کرتین، بالآخر ترکیب یہ سوجی کہ چند مشہور دکانون مین جا کر اپنے آپ کو سربرآوردہ لوگون کا رشتہ دار بتایا، اور قرض سامان وصول کیا، چندے اس طرح کام چلتا رہا، شامت اعمال سے دوکانداروں نے تحقیقات شروع کی تو معلوم ہوا کہ لیڈی صاحبہ محض بیک بینی و دو گوش ہین، اور سربرآوردہ خاندانون سے رشتہ تو درکنار تعارف بھی نہین رکھتین، بالآخر الزام فریب دہی و دغا مین گرفتار کر لی گئین"،

اس مثال مین آپ دیکھتے ہین کہ اس عورت نے جو ترغیب اپنے نفس کو جھوٹ اور دھوکہ بہی کی دی، اس کا آغاز اس اعتقاد سے ہوا، "کہ فوجی افسرون سے دوستی قائم رکھنے کے لئے عمدہ لباس ناگزیر ہے،" خود اس نے جو بیان عدالت کے روبرو دیا ہی اس مین کہا ہی، "گذشتہ دو ہفتون مین میرا تعارف چند فوجی افسران سے ہوا، اور اس تعارف کو بڑھاتے کے لئے مین نے اچھا لباس حاصل کرنے کی خواہش کی"، سب سے زیادہ توجہ طلب بات اس مثال مین یہ ہے کہ جونہی یہ اعتقاد اس عورت کے دماغ مین جاگزین ہوا، اور عمل ترغیب کا آغاز ہوا، ویسے ہی اس کے شعور نے ہر اس خیال کو جو کسی طرح

اس مقصد کے حصول مین حائل ہوتا ہٹانا شروع کر دیا، اور صرف وہی دلائل اور فیصلے قبول کئے گئے جو حصول مقصد کے منافی یا تشفی جذبات کے مخالف نہ تھے،

یہ تو خیر ذاتی ترغیب کی مثال ہوئی، دوسرون کو جو ترغیب دی جاتی ہی اس مین بھی یہی عمل ظہور پذیر ہوتا ہے، ہر مقرر جس کا مقصد لوگون کو ترغیب دینا ہوتا ہے، اسی قسم کے فیصلون سے کام لیتا ہے جن مین صرف اسی حد تک باہمی ربط اور تسلسل پایا جاتا ہی جہان تک کہ وہ مقصد برآری مین مفید ثابت ہون، یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کی ترغیبانہ تقریرین جو اپنے آپ کو مبلغ کہتے ہین، خواہ بظاہر کتنی ہی سنجیدہ کیون نہون لیکن پھر بھی ان مین اکثر ایسے دلائل پائے جاتے ہین، جو تشفی جذبات تو کر سکتے ہین، لیکن کسی منطقی استدلال کی تاب نہین لا سکتے، اگر تمھاری ترغیب کا منشا یہ ہے کہ تمھارے مخاطب تمھارے حسب خواہش فعل کرین تو اس وقت تک تمھاری ترغیب کارگر نہین ہو سکتی جب تک کہ یہ مجوزہ فعل ان حضرات کے جذبات کی تشفی نہ کر سکے، جن فیصلون سے عمل ترغیب مین کام لیا جاتا ہی، وہ یا تو مظہر رغبت و رضامندی کے ہوتے ہین، یا ناراضی کے، اگر ہمارا فیصلہ اظہار رضامندی کر رہا ہی، تو یقیناً اس کی تہ مین، تعریف، احسان، عزت، غیرت، حب الوطنی، یا اسی قبیل کے دیگر جذبات پائے جائینگے، برخلاف اس کے ایسے فیصلون کی تہ مین جو مظہر ناراضی ہین، ندامت، ملامت، نفرت، غصہ، یا خوف کا لگاؤ پایا جائیگا، اب تک ہماری بحث ان جذبات سے رہی جو محرک ترغیب ہو سکتے ہین، اب دیکھنا یہ ہی کہ وجدانات مین یہ صلاحیت کس حد تک پائی جاتی ہے،

وجدان و عمل ترغیب جذبات اور وجدان مین، نفسیاتی نقطہ نگاہ سے، فرق یہ ہے کہ اول الذکر ہمارے ان الہامات فطری کا نتیجہ ہین، جن کا تعلق استیثار یا ایثار سے ہوتا ہی، ان کا دور دورہ بہت تھوڑی مدت تک رہتا ہی، اور ان کے اثرات عارضی ہوتے ہین، جذبات کی تحریک فوری ہوتی ہے، اور بہت کچھ پر زور بھی، لیکن ان کی قوت بہت جلد زائل ہو جاتی ہی، اور اسی وجہ سے ان کی تحریک سے جو افعال

سرزد ہوتے ہین، ان مین قیام، ارادہ، اور تنظیم کا وجود نہین ہوتا، ترغیب کا اثر، جذبات کے لئے بانگ جرس کا حکم رکھتا ہی، اور خوف، نفرت، استعجاب، غصہ، محکومیت، حکومت، توصیف، دہشت، عظمت، کراہت، تنفر، غرضکہ تمام جذبات کی فوج خفتہ ترغیب، کی تحریک پاکر کمربستہ ہو جاتی ہی، اور ہمارے عقیدون خواہشون، اور افعال کو اپنے زیرنگین کرنے، اور اس طرح سے ترغیب کو کامیاب بنانے کی کوشش کرتی ہے، وجدان مختلف جذبات کے مجموعہ کا نام ہی، اور اتنی بات ہر شخص سمجھ سکتا ہی کہ مختلف جذبات انفرادی طور پر اتنے زبردست محرک نہین ہو سکتے جتنے کہ اس حالت مین ہو سکتے ہین جب یہی جذبات کسی وجدان کے حلقہ مین جمع ہو جائین، اور ان مین تنظیم و تنسیق موجود ہو، ذیل کی مفروضہ مثال سے جذبات اور وجدان کی جداگانہ اہمیت ظاہر ہو جائیگی،

فرض کیجئے کہ ایک مقرر کسی مجمع کے روبرو جنگ کے متعلق تقریر کر رہا ہی اور لوگون کو اس کی ترغیب دے رہا ہی کہ ملک اور بادشاہ کی حفاظت کے لئے اپنی اپنی خدمات بحیثیت رضاکاران پیش کرین، اس کی اس ترغیب کی بنیاد "حب الوطنی" پر ہے، اور اسی وجدان سے مدد لیکر وہ سامعین کو اپنی خواہش کے مطابق فعل کرنے کی ترغیب دیتا ہی، چونکہ وجدان حب الوطنی، مین بہت سے جذبات مجتمع ہین لہذا ہمارا مقرر مختلف طریقون سے ترغیب دے سکتا ہی، اپنے سامعین کے سامنے یہ بیان کرکے کہ "دشمن کی قوت زبردست ہی، وہ ہمین فتح کرنیکی قدرت رکھتا ہی، ہمارے پاس اس کے مقابلہ کے لئے کافی افواج نہین ہین، اور جب تک آپ لوگ مدد نہ کرین انجام شکست و تباہی ہی"... وہ ان کے خوف، اور تردد کے جذبہ کو بیدار کر سکتا ہی، کبھی یہ کہکر، "دشمن نے ہماری عورتون کی عزت لی، ہمارے بچون کو تہ تیغ کیا"... وہ اپنے سامعین کے جذبات رحم، نفرت، ملامت، اور دہشت کو برانگیختہ کرتا ہے، کبھی اس طرح اپیل کرکے، "کیا آپ لوگ دشمن کو بغیر بدلہ کے چھوڑ دینگے، کیا ہمارے مقتولون کا خون، ہماری عورتون کی عصمت دری، ہماری برباد شدہ کھیتیان، مسمار عمارات، یہ سب بغیر انتقام

کے رہین گی ․․․․ وہ غصہ اور انتقام کے جذبات کو اشتعال دیسکتا ہی کبھی اسلاف کی شاندار روایات یا دیگر اقوام کے کارنامے سنا کر وہ جذبہ خودداری کو جوش مین لاتا ہی، اب دیکھو، کہ مذکورہ بالا تو جذبات مین سے ہر ایک فرداً فرداً ہمارے مقرر کے حسب خواہش طرز عمل کا محرک ہوسکتا ہی لیکن جب یہی جذبات گوناگون کسی ایسے وجدان (حب الوطنی) کے اجزائے ترکیبی ہوتے ہین جو سالہا سال بلکہ صدیون کی قومی زندگی کا نتیجہ ہے، تو ان کی مشترکہ قوت بہت کچھ ہوجاتی ہی ان اعتقادات کی جو زمانہ کے اثر سے پختہ ہوکر روایات بن گئے ہین، اہمیت عمل ترغیب مین بہت زیادہ ہی اور ختم شدہ جذبات ان انفرادی جذبات سے کہین زیادہ موثر ہوتے ہین جو آندھی بگولے کی طرح اٹھتے ہین لیکن تھوڑی دیر کے بعد اپنی قوت سے خود ہی فنا ہوجاتے ہین،

جذبات اور وجدان کی ترغیب مین جداگانہ اہمیت ہی لیکن سب سے زیادہ ضروری بات یاد رکھنے کی یہ ہے کہ خواہ جذبہ ہو یا وجدان یا اور کوئی اندرونی محرک، عمل ترغیب مین جذبی عنصر ضرور پایا جاتا ہی اگرچہ اس کا محل ظہور اور اس کی ظاہری حیثیت کچھ ہی کیون نہو، یہ جذبی عنصر کبھی الہام فطری کہلاتا ہی کبھی رجحان کے نام سے یاد کیا جاتا ہی کبھی اپنے اصلی لباس مین بحیثیت جذبہ کے نمودار ہوتا ہی کبھی وجدان مین نظر آتا ہی،

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش   من انداز قدت را می شناسم

غرض یہ کہ اس کا پایا جانا ضروریات مین سے ہے، اور اگر عمل ترغیب کو صورت مانین، تو یہ اسکا ہیولی ہی، چراغ فرض کرین تو یہ اس کا نور ہی، سانس خیال کرین تو یہ اسکی اولیات مین سے ہی،

(باقی)

آثار قنوج

از مولوی سعید انصاری، مولف سیر الصحابیات

تلک آثارنا تدل علینا   فانظروا بعدنا الی الآثار

پرتھوی راج کے پایہ تخت (دہلی) کی تاریخ آثار الصنادید کے صفحات مین نظر آسکتی ہی لیکن **جے چند** کے دارالسلطنت (قنوج) کی تاریخ ناظرین صرف سیاحون کی آنکھون مین پڑھ سکتے ہین جس کو وہ شہر کے مختلف پست و بلند حصون مین پھر کر مرتب کرتی ہین؛

کیا عجیب بات ہی! پرتھوی راج کا شہر ایک مردہ شہر ہی جس پر شہر خاموشان کا لقب صادق آتا ہی لیکن اُس کی عمارات، اس کے آثار، اس کے معابد و مقابر سب کے نشانات تاریخ کے صفحات مین موجود ہین، لیکن جے چند کا شہر اگرچہ زندہ آبادی کا جلوہ گاہ ہی تاہم اس کی عمارات کا کوئی نشان صفحات تاریخ مین باقی نہین!

جے چند کا سر پرغرور ہمیشہ اجمیر اور دلی کے راجپوتون کے مقابلہ مین بلند رہتا تھا، اس لئے اس کے پایہ تخت نے بھی دوسرے پایہ تختون کے مقابلہ مین اس خصوصیت کو قائم رکھا، دلی اور اجمیر کے قدیم حالات تاریخ کی زبان سناتی ہی، لیکن قنوج خستہ عمارتون، بوسیدہ کھنڈرون، بلند ٹیلون، غرض تمام پستیون اور بلندیون سے اپنی تاریخ خود سنا رہا ہی!

وہ شہر جو ہزارون برس تک تہذیب و تمدن کا مرکز تھا، جس کے تخت جلال پر بڑے بڑے باجبروت راجہ متمکن ہوئے، جو روحانیت کا سرچشمہ تھا، جس کے آثار قدیمہ عبرت و بصیرت کا سرمایہ ہین، اور جس کی بلندیان اور پستیان تاریخ کے نشیب و فراز کو ظاہر کرتی ہین، در حقیقت خود ایک مجسم تاریخ ہی، اس کو کسی رسمی اور کاغذی تاریخ کی ضرورت نہین،

مین اس شہر مین ایک زائر کی حیثیت سے وارد ہوا، تو اس کے آثار کی زبردست کشش میری نظرون

کو اپنی طرف کھینچتی تھی، کیونکہ تاریخ نگاری مین اس سے بڑھکر مستند سرمایہ کیا ہاتھ آسکتا ہی! وہ ایک زندہ، اور ناطق تاریخ ہی جس کا مقابلہ مردہ اور گنگ تاریخین نہین کر سکتین، غرض یہ تاریخ میری نگاہون مین عبرت وبصیرت بنکر جمع ہوئی، اور اشک خونین بنکر ٹپکی، جس سے یہ کاغذی صفحات خود بخود رنگین ہوگئے، اس بنا پر ناظرین کو جو کچھ ان صفحات مین ملیگا، وہ کوئی مکمل تاریخ نہین ہی، بلکہ اشک حسرت کے چند قطرے ہین جو میری آنکھون سے زیارت کے وقت جاری ہوئے!

قنوج پر اسلام کا مادی اثر اس وقت قائم ہوا جب شہاب الدین محمد غوری نے جے چند کو شکست دی، اور قنوج کے ہیبت ناک قلعہ پر ہلال کا پرچم لہرایا، لیکن اسلام کا روحانی اثر تیغ وخنجر اور توپ وتفنگ کی امداد سے بے نیاز تھا اس لئے وہ اس سے بہت پیشتر قائم ہو چکا تھا، چنانچہ سب سے پہلے اس شہر مین باباحاجی شریف تشریف فرما ہوئے، جن کی روحانی قوت سے قنوج مین اسلام کی اشاعت ہوئی،

باباصاحب کا مزار شہر کے باہر ایک بلند چبوترے پر واقع ہی جس کے مغربی سمت مین محراب بنی ہوئی ہے، یہ جگہ **حاجی شریف** کے نام سے مشہور ہی، اور بوسہ گاہ خلائق ہی، اہل قنوج کے بیان کے مطابق یہ سب سے قدیم زیارت گاہ ہی، چونکہ اس پر کوئی کتبہ نہین ہی اس لئے باباصاحب کا صحیح زمانہ متعین نہین کیا جاسکتا،

حاجی شریف کے بعد سب سے قدیم چیز **جے چند** کا قلعہ ہی، جس کے صرف کچھ آثار باقی رہ گئے ہین **چندن** شہید کا مزار بھی ایک قدیم تاریخی یادگار ہی،

بالا پیر کی قبر بھی قدیم قبر ہے، اس پر کتبہ لگا ہوا ہی لیکن پڑھا نہین جاسکا،

اسلامی آثار مین ایک قدیم ترین چیز **جامع مسجد** ہی جو سلطان ابراہیم شرقی (۸۰۴ھ / ۱۴۰۱ع) والی جونپور کی تعمیر کردہ ہی اس کے سپہ سالارون (سلطان شہ اور جلال خان اجودھی) نے اس شہر کو جس شجاعت اور بسالت سے فتح کیا اس کا ذکر تاریخ فرشتہ وغیرہ مین موجود ہی، یہ مسجد نہایت سادہ بنی ہوئی ہی، پتھرون پر جو کام ہی وہ بھی معمولی ہی، محرابون کے بجائے پتھر کے سیدھے سیدھے ستون ہین جو اونچے ہوتے چلے گئے ہین، اور پھر

ان پر چھت پاٹ دی گئی ہی مسجد کے دونون کنارون پر زینہ لگا ہوا ہی جس سے اوپر جاتے ہین یہان ایک دالان بنا دیا گیا ہی جس مین نماز پڑھی جاسکتی، اور وعظ سنا جاسکتا ہی،

محراب پر سورۂ کوثر، چھت پر سورۂ جمعہ، اور محراب کے اندر قل ہو اللہ کندہ ہی، مسجد مین کچھ دور تک سائبان چھایا ہوا ہی، جو حال کا اضافہ ہی سائبان کے آگے صحن ہی، اس کے بعد ستون شروع ہوتے ہین جو قریب قریب بنے ہوئے ہین، ان ستونون مین لوہے کا جنگلہ لگا دیا گیا ہی، اس طرح پورا صحن جنگلون کے اندر آجاتا ہی اور مسجد صحرائی جانورون سے محفوظ ہوجاتی ہی، جنگلے سے متصل حوض ہی، جو حال مین بنایا گیا ہی،

مسجد پر منارے نہین ہین، صرف تین معمولی گنبد ہین، وسط کا گنبد نسبتہ بڑا ہی، یہ تینون گنبد گول نہین بلکہ چپٹے ہین،

پھاٹک پر خط نسخ مین یہ قطعۂ تاریخ کندہ ہی،

شکر للہ کہ بتوفیق خداوند کریم ؎ بو المظفر سر شاہان جہان ابراہیم

ہمدم عیسیٰ و ہمنام خلیل الرحمان ؎ آنکہ بنمود جہان را ید بیضا چو کلیم

مسجدے ساخت مرتب کہ بدین رفعت و اوج ؎ چہ اساس ست معلیٰ چہ بنا ایست عظیم

سلخ ذی قعدہ، سن ہشتصد و نہ ہجری (۸۰۹) ؎ سرفراز ہمہ زیر قدمش گشت مقیم

حوض کی تاریخ یہ ہی،

حوض مثل حوض کوثر شد بنا، ؎ صحن مسجد صورت گلشن شگفت

مرتضیٰ خان فکر تاریخش چو کرد ؎ حق تعالیٰ، حافظ و ناصر۔ بگفت، ۱۳۲۶ھ

حوض حاجی محمد مرتضیٰ خان رئیس بالا پیر قنوج کا بنوایا ہوا ہی،

عبرت: لیکن یہ عظیم الشان عمارت جس کی رفعت وبلندی کا اقرار خود چشم فلک کو ہوگا آج ویرانی کی بدولت اپنے معزز بانیون کا ماتم کر رہی ہی، اور اس کو زاہدان شب زندہ دار کے بجائے مردار خوار جانورون

نے اپنا نشیمن بنا لیا ہے، سچ ہے،

پردہ داری میکند بر قصرِ قیصر عنکبوت   چغد نوبت می زند بر گنبد افراسیاب

شہر کی مرکزی اور سب سے شاندار عمارت **سید جلال حیدر ثالث** نبیرۂ مخدوم جہانیان کا روضہ ہے، جو ۸۸۱ھ مین فتح جنگ شاہ ہری خان کے حکم سے حسین شاہ کے عہدِ حکومت مین تعمیر ہوا تھا، یہ اس زمانہ مین بنایا گیا ہے جب قنوج سلاطینِ شرقیہ کی حکومت سے آزاد ہو گیا تھا، اور ملک مین طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی،

مزار ایک وسیع احاطہ کے اندر ہے، اس کے قریب **دو مزار** اور ہین، جن پر نہایت باریک کام بنا ہوا ہے، مزار کے ایک طرف **مسجد** ہے جو اگرچہ ناتمام ہے لیکن اس قدر شاندار ہے کہ اس کی تعریف نہین کی جا سکتی، یہ منقش پتھر کی عمارت ہے، جس پر عمدہ کام بنا ہوا ہے، اس کے نیچے گنگا بہتی تھی، (اب کچھ دور آگے ہٹ کر بہتی ہے)

سید جلال حیدرؒ کے مزار پر یہ کتبہ ہے،

این روضۂ اطہر و منور،   ثالثؒ لقب و جلال حیدر،

تعمیر شہ ہری چو بنمود،   ہشتاد و یکے و ہشت صد بود، (۸۸۱ھ)

کز زلزلۂ زمین شکستہ ..   تعمیر دگر شکستہ بستہ

عباس علے یکے ز اولاد   خلف الصدق است و ابنِ سجاد

سنہ دو صد و نہ و یک ہزار است (۱۰۰۹ھ)   از ہجرِ رسول نامدار است

لیکن یہ تجدید کی تاریخ ہے، کیونکہ اس مین لکھا ہے کہ ۸۸۱ھ مین اس کو شاہ ہری نے بنوایا تھا، لیکن جب زلزلے سے اس کو صدمہ پہونچا تو ۱۰۰۹ھ مین عباس علی نے دوبارہ تعمیر کرایا، اس بنا پر اصلی تاریخ وہ ہے جو پھاٹک پر خطِ نسخ مین کندہ ہے، اور وہ یہ ہے،

این سدۂ بدیع کہ از چرخ برتر ست   وین طاقِ بے نظیر کہ با زیب و زیور است

گشتہ بنا بعہد ہمایون **حسین شاہ**   کاندر زمان چنان ہمہ ادوار مضمر ست

تعمیر کردہ **شاہ ہری خان فتح جنگ**   کافاق از جمالِ کمالش منور ست

ہشتاد و یک و ہشت صد از ہجرت نبیؐ (۸۸۱ھ)   تاریخ صدق گشت کہ ماہ و ہمیر ست

بانی طاق **سید راجوی بنی جلال**   کافاق از جمالِ کمالش منور ست

. . . . [1]   امید وار مغفرت از حضرت اکبر ست

لیکن جانتے ہو! کہ آج اس "برتر از فلک" عمارت کے کنگرون سے کیا چیز نکراتی ہے؟ زاغ و زغن کی آواز!

شہر کی مشہور عمارتون مین **میر بنگالی** کی حویلی بھی ہے، یہ جامع مسجد سے آگے ملتی ہے، اندر کچھ ٹوٹی ہوئی عمارت باقی رہگئی ہے، پھاٹک اور چہار دیواری البتہ قائم ہین، اور ان کو دیکھکر حویلی کی عظمت آنکھون مین پھر جاتی ہے،

عالمگیر کی مسجد بھی آثارِ قدیمہ مین ہے، جو بالا پیر کے قریب واقع ہے، اور بالکل شکستہ ہے،

سید محمد نجاری کا مقبرہ بھی متبرک مقام ہے،

ان عمارتون کے علاوہ شہر مین متعدد عمارتین ہین جو اب تک اصلی یا کسی قدر متغیر شکل مین قائم ہین، لیکن چونکہ وہ اس قدر اہم نہین ہین، اس لئے ان کا ذکر قلم انداز کیا جاتا ہے،

قنوج کا ذرہ ذرہ سلطنتہائے مختلفہ کا مدفن اور اس کا چپہ چپہ اقوامِ قدیمہ کی یادگار ہے!

از نقش و نگارِ در و دیوار شکستہ   آثار پدید ست صنادیدِ "عجم" را

[1] مجھ سے یہ مصرع پڑھا نہین گیا، بعض خاندانون مین ایک صدی قبل کی جو بیاضین موجود ہین ان مین بھی یہان پر نقطے دیے ہوئے ہین جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک صدی پیشتر بھی یہ مصرع پڑھا نہین جا سکا تھا،

مترجمات

تاریخ مشہد خراسان[۱]

مترجمہ: مولوی ابوالحسنات ندوی،

خطہ خراسان کا مقدس شہر مشہد (طوس) جو امام ابوالحسن علی ابن موسی رضا امام ثامن کی خوابگاہ ہونے کی وجہ سے آج تمام اسلامی دنیا کی نگاہ عقیدت کا مرکز بنگیا ہی ابتدا مین چندان اہمیت نہین رکھتا تھا چنانچہ علمائے عرب کی ایک جماعت مثلاً ابن خردازبہ، مقدسی اور ابوالفدانے اپنی کتابون مین اسکا ذکر تک نہین کیا، اصطخری، ابن حوقل، ذکریا ابن محمد بن محمود القزوینی، یاقوت حموی اور ابن بطوطہ نے اس کا سرسری تذکرہ کیا البتہ صاحب کتاب نزہتہ القلوب، امیر زین الدین محمد صاحب زینتہ المجالس، قاضی نور اللہ تستری حسینی صاحب مجالس المومنین، احمد رازی صاحب ہفت اقلیم، مرزا حسن زنوزی صاحب ریاض الجنہ اور فرہاد میرزا صاحب کتاب جام جم نے اسکا مفصل تذکرہ کیا اور سب کے آخر ۱۳۰۲ھ مین صنیع الدولہ محمد حسن خان نے دو ضخیم جلدون مین تاریخ مشہد خراسان کے نام سے اسکی مفصل و مبسوط تاریخ لکھی، یہ مضمون اسی آخری کتاب سے ماخوذ ہے،

مشرقی مصنفین کے سلسلہ مین یہ مناسب معلوم ہوتا ہو کہ ہم ان مغربی سیاحون اور جغرافیہ نویسونکا بھی ایک سرسری تذکرہ کردین جنھون نے مشہد کے متعلق کچھ نہ کچھ لکھا ہی، سب سے پہلے ۱۴۰۳ء مین بانوے نے بلوروس و ایران کی سیاحت کی یہ خاص مشہد مقدس تک آیا اس نے اپنے سفرنامہ مین

[۱] ترجمہ از عربی رسالہ العرفان،

اسکی قدیم و جدید تاریخ کا مفصل تذکرہ کیا ہی، متعدد فصلون مین شہر کے مختلف تمدنی، عمرانی اور سیاسی حالات دکھائے ہین، وہان کی زراعت اور پیداوار کا تذکرہ کیا ہی وہان کے اوقاف، مدارس بلکہ طلبا کی تعداد تک کو لکھا ہی، اس کے بعد ۱۸۲۲ء مین انگریز سیاح فورشائر نے سیاحت کی اور اپنے سفرنامہ کی دوسری جلد مین اسکا ذکر کیا، سرجان ملکم جو فتح علی شاہ قاچار کے عہد مین سفیر برطانیہ تھے انھون نے بھی اسکا تذکرہ کیا ہے، اور مسٹر میکڈونل کنیر نے بھی اپنی کتاب جغرافیہ ایران مین اس پر کچھ لکھا، ۱۸۳۲ء مین موسیو کنولی ہندوستان جاتے ہوئے طوس سے گذرے اور اسکی تجارت اور آبادی کا اپنے سفرنامہ مین تذکرہ کیا، پھر ۱۸۴۵ء مین موسیو فریہ نے یہان کی سیاحت کی اور اپنے سفرنامہ کی جلد اول مین یہان کے طبیعی حالات، مناظر اور اسکی تاریخ کے متعدد پہلوؤن کی تشریح کی انیسوین صدی کے وسط مین انگریز سیاح مسٹر فیریزر نے اس حصہ ملک کی سیاحت کی، اس نے اپنے مقاصد مین کامیابی حاصل کرنے کیلئے مسلمان ہوجانیکا اعلان کیا اور اس طرح وہ وہان کے اعلیٰ طبقون کی سوسائٹی مین داخل ہوکر وہان کے تمام حالات کا اچھی طرح مطالعہ کرسکا، اسی زمانہ مین نیکولا خانیکوف روسی سیاح نے بھی ان اطراف کی سیاحت کی تھی، اسی روسی سیاح کے سیاحت نامہ کے متعلق موسیو سینٹ مارٹن نے ۱۸۶۱ء مین پیرس کی مجلس جغرافیہ کے روبرو اپنی وہ تحریر پڑھی جس مین موسیو موصوف نے کہا کہ

> ہمین خانیکوف کی سیاحت سے پہلے مشہد کے متعلق کچھ بھی حالات معلوم نہ تھے، اور ہان چند سیاحون نے اجمالی طور پر جو کچھ اس کے متعلق لکھا وہ چندان اہم نہین اس لئے یہ ہمارا فرض ہونا چاہئے کہ ہم اس روسی سیاح کے کارنامے کی اہمیت کو سمجھین اور اس کی وہی قدر و منزلت کرین جو اس کا حق ہی،

ان ضروری تصریحات کے بعد اب ہم اصلی کتاب سے مجمل اقتباسات پیش کرتے ہین، یہ اقتباسات خاص مشہد مقدس سے متعلق حالات، اس کے آثار قدیمہ اور عمارات و کتبات پر مشتمل ہین،

مشہد کا ظہور اور اسکی آبادی مشہد کی بنیاد اس قدیم ایرانی شہر کے ویرانہ پر پڑی جس کا نام سناباد تھا، قدیم زمانہ مین خلیفہ ہارون الرشید کی طرف سے حمید بن قحطبہ یہان کا والی تھا، وہان حمید کا عظیم الشان مکان اور باغ تھا جب علاقہ خراسان مین ہارون الرشید نے انتقال کیا تو وہ حمید کے اسی مکان کے احاطہ مین دفن کیا گیا، مامون نے اپنے عہد خلافت مین اس قبر پر ایک قبہ بنانیکا حکم دیا جو عام طور پر قبہ ہارونیہ کہلایا، اس کے بعد ۲۰۳ھ مین امام ثامن سیدنا ابوالحسن علی بن موسی رضا کا جسد مبارک اسی کے پہلو مین سپرد خاک کیا گیا، اور اسی دن سے اس کا نام اسی قبر کے انتساب سے مشہور ہوا، یہ بیان کیا جاتا ہی کہ اس کے بعد دیلمیون نے مشہد کی آبادی کو مزید ترقی دی، اور ان کے بعد امیر سبکتگین نے اس کو خراب و ویران کیا، غرض مشہد ایک مدت تک ویران حالت مین رہا اور خوف سے کسی شیعی کو اسکی تعمیر و آبادی کی ہمت نہوتی تھی یہانتک کہ ابن اثیر کے روایت کے مطابق سلطان محمود بن سلطان ناصرالدین سبکتگین کا زمانہ آیا اور اس نے وہان کی عمارات کی تجدید و توسیع کی، اس کے بعد سلطان سنجر سلجوقی کے عہد حکومت مین شرف الدین قمی نے اسکی مزید تجدید و توسیع کی، پھر اس کے بعد تاتاریون نے اس کو ویران و برباد کردیا، لیکن جب یہ سیلاب رکا اور فرو ہوگیا تو ہلاکو خان کے پوتے سلطان خدابندہ نے اس کی تجدید و تعمیر کی، چنانچہ ابن بطوطہ جب ۷۳۴ھ مین طوس سے گذرا ہی تو اس نے یہان کی آبادی اور عمارات کا حال اپنے سفرنامہ مین لکھا ہی، اس کے بعد متعدد سلاطین و وزرا نے مشہد کی تعمیر و توسیع کی اور وہ اس کے زیب و زینت کو ترقی دیتے رہی یہان تک کہ سلطان میرزا شاہرخ گورگانی کے عہد حکومت مین اس کی عظمت و شان کا غلغلہ دور دراز ممالک مین پھیل گیا، اس نے ۸۲۱ھ مین وہان متعدد عمارتون کے بنا و تعمیر کا حکم دیا، اور اس کے بعد مشہد کی عظمت و تعمیر روز بروز ترقی کرتی چلی گئی،

خاص مشہد مبارک کا بیان مشہد شہر کے ٹھیک وسط مین واقع ہی، یہ ایک مربع عمارت ہی خاص ضریح مقدس کا پیمانہ دہ در دہ ذرع اور اس کے قبہ کی بلندی بیس ذرع ہی، اور جو چہار دیواری اس کو گھیرے

ہوئے ہی اس مین بارہ دروازے ہین ان مین سے بعض دروازے سونے کے پترون سے منڈھے ہوئے ہین اور بعض چاندی کے پترون سے، ان دروازون مین قران مجید کی آیتین احادیث نبوی، قطعے اور عربی فارسی اشعار بکثرت لکھے ہوئے ہین، ضریح مبارک مین متعدد طاقچے ہین جنمین کا سب سے پہلا فولاد کا ہی اسکی تاریخ نہین معلوم اس کے علاوہ دوسرے طاقچے پیتل کے ہین مگر ان جواہر کی حفاظت کے خیال سے جو ان مین لگے ہوئے ہین ان پر طلا کاری کردی گئی ہی یہان بکثرت جواہر موجود ہین، قبہ نہایت صاف اور لمعہ فگن سونے سے منڈھا ہوا ہی اس کے دائرہ مین عربی عبارت جسکا مفہوم یہ ہی نہایت جلی خط مین لکھی ہوئی ہے،

”اس قبہ کی تزئین کا حکم شاہ عباس اعظم نے اس وقت دیا جب وہ اسکی زیارت کے لئے پایۂ تخت اصفہان سے یہان آئے تھے، یہ ۱۰۱۰ھ کا زمانہ تھا اور اس تزئین کی تکمیل ۱۰۱۶ھ مین ہوئی“،

”۱۰۸۲ھ مین کمال الدین محمود یزدی نے یہ خدمت انجام دی اور علی رضا عباسی نے یہ عبارت لکھی“

قبہ پر اس کے علاوہ اور بھی عربی عبارتین مندرج ہین جن سے ظاہر ہوتا ہی کہ جب ۱۰۸۴ھ کے زلزلہ سے اس عمارت کو صدمہ پہنچا تھا تو اس کی مرمت و اصلاح کے بعد شاہ سلیمان صفوی نے دوبارہ اسکی تذہیب کا حکم دیا اور ۱۰۸۶ھ مین اس حکم کی تعمیل ہوئی،

اندرون مشہد کے کتبے مشہد مقدس کے اندرونی حصہ مین بکثرت کتبے ہین ان مین کے بعض تقریباً پانچوین صدی تک کے ہین، یہ سب کتبے عربی زبان و اسلوب مین ہین، اور ان مین کے بعض خط کوفی مین ہین جن کے آخر مین کاتب کا نام بھی ظاہر کردیا گیا ہی، غالباً سب سے پہلا کتبہ جو اس پر منقوش ہوا اس مین ابونواس کے وہ مشہور اشعار ہین جن مین کا پہلا شعر یہ ہے،

مطهرون نقيات جيوبهم	تجري الصلوٰة عليهم اينما ذكروا

ان اشعار کے نیچے یہ عبارت لکھی ہوئی ہے،

”تقرب بهذه العمارة الضعيف	بنده ضعیف غلام آل محمد عبدالعزیز بن آدم

الدلیل المحتاج الی رحمۃ ربہ تعالی مولی آل محمد عبد العزیز بن آدم بن ابی نصر القمی،

بن ابی نصر قمی نے بہ نیت ثواب یہ عمارت بنائی،

بعض محرابون مین جو کتبے خط کوفی مین منقوش ہین ان کی عبارت یہ ہی،

بسم اللہ الرحمن الرحیم "شہد اللہ انہ لا الہ الا ہو والملئکۃ الی قولہ ان الدین عند اللہ الاسلام"

بعض جگہ یہ عبارت منقوش ہی،

کن فی صلوتك خاشعا — اپنی نماز مین عاجز و خاشع ہوجاؤ

اسی خط مین یہ آیت بھی لکھی ہوئی ہی،

ان الحسنات یذھبن السیئات — نیکیان برائیون کو مٹا دیتی ہین،

ایک جگہ لکھا ہی،

"لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اللھم اغفر لمن استغفر لابی زید محمد بن ابی زید النقاش"

ایک کتبہ مین پوری سورۂ توحید نہایت باریک خط مین لکھی ہوئی ہی، اس کی تاریخ کتابت ۶۱۲ھ ہے،

ان عبارتون کے علاوہ اندرونی حصہ عمارت مین اور بہت سی آیات، احادیث، جوامع الکلم اور کلمات نصیحت و موعظت منقوش ہین، یہ سب کی سب عربی مین ہین اور ان کا خط ایسا جلی ہی کہ اچھی طرح پڑھا جاتا ہی، انہی مین ایک یہ طویل کتبہ بھی ہی،

من کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ انکم لن تسعوا الناس باموالکم فسعوھم باخلاقکم قال ابراھیم بن العباس الصولی لو وزنت ھذہ الکلمۃ باحسن کلام الناس لرجحت

رسول اللہ صلعم کا فرمان ہو اگر تم لوگون کے ساتھ اپنی دولت کے ذریعہ سے بھلائی نہ کرسکو تو ان کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آؤ، ابراہیم بن عباس صولی نے کہا اگر اس عبارت کو انسانون کے مجموعی بہترین کلام سے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ لا علم کالتفکر، لکل قلب شغل من رضی عن نفسہ کثر الساخط علیہ، قلب الاحمق فی فیہ ولسان العاقل فی قلبہ، رسول الموت الولادۃ،

وزن کیا جائے تب بھی اسکا وزن زیادہ ہوگا، رسول اللہ صلعم نے فرمایا، علم غور و فکر کے برابر نہین ہی، ہر قلب کے لئے کچھ نہ کچھ شغل ہی، جو اپنے نفس کا تابع ہو اس پر مکروہات کا ہجوم ہوگا، احمق کا قلب اس کے منہ مین ہوتا ہی، اور عقلمند کی زبان اس کے قلب مین، پیدائش موت کا پیک ہی،

جو محراب ضریح مقدس کے سرہانے ہی اس پر بھی بکثرت آیات و احادیث منقوش ہین اور یہ علی بن محمد بن ابی طاہر غفر اللہ ذنوبہ کی لکھی ہوئی ہین،

آثار و عمارات مشہد

دار الحفاظ عمارت مشہد کے مقابل کم و بیش اسی طرح کی متعدد عمارتین ہین، ان مین سب سے زیادہ اہم اور قابل ذکر دار الحفاظ ہی، یہ ایک بلند مربع عمارت ہی اسکا عرض ساڑھے سات ذرع اور طول اٹھارہ ذرع ہی اس مین کاشانی پتھر کی چوڑی چوڑی اینٹون کا فرش ہی، اس کو امیر تیمور گورگانی کے بیٹے شاہ رخ (امیر ہرات و خراسان) کی بیوی گوہر شاد نے تعمیر کرایا تھا، اس عمارت مین بعض شاہان فارس اور ان کے وزرا کی پانچ قبرین ہین اور اس مین متعدد فارسی کتبے ہین،

دار السیادۃ یہ عمارت بھی اسی خاتون گوہر شاد کے آثار مین سے ہی یہ ایک مستطیل عمارت ہی اسکا طول بتیس ذرع اور عرض مختلف ہی، اس مین آب شیرین کی ایک نہر اور متعدد قبرین ہین، اس کو اس زلزلہ نے جو شاہ سلیمان صفوی کے عہد مین آیا کمزور کردیا تھا لیکن اسی بادشاہ کے حکم سے اسی وقت اسکی مرمت اور درستی کردیگئی تھی، اسکی دیوارون پر جا بجا کتبے بھی ہین لیکن یہ سب قریب ہی زمانہ کے ہین، ان مین اکثر فارسی اشعار ہین، مگر ان کے علاوہ اور بھی چند کتبے ہین جو زمانہ قدیم کے ہین اور ان سے یہ ثابت ہوتا ہی کہ

اس عمارت کی بنیاد چھٹی صدی مین پڑی تھی،

قبۃ اللہ باردخان | یہ وہان کی مشہور اور عظیم الشان عمارتون مین داخل ہے در و دیوار اور بنیاد نہایت مضبوط و مستحکم بلند اور ہشت پہل عمارت ہے اس کے اندرونی حصّہ مین آٹھ صفین ہین اس کے رنگارنگ اور مزین پتھرون پر دوازدہ ائمہ کی تاریخ ولادت و وفات درج ہے ان کے علاوہ احادیث ماثورہ اور فارسی اشعار بکثرت منقوش ہین، اس کے بالائی دائرہ مین سورہ جمعہ وغیرہ لکھی ہوئی ہین،

اور دوسرے آثار قدیمہ | مشہد کے شمالی جانب ایک قدیم العہد صحن ہے جسکا طول ۸۶ ذرع اور عرض ۷۰ ذرع ہے، اور یہ صحن جیسا کہ اس کے کتبون سے ظاہر ہوتا ہے صفویون کے آثار باقیہ مین سے ہے، اس کے علاوہ ایک اور صحن جدید ہے جو شاہ فتح علی شاہ قاچار کے آثار مین سے ہے، اسکا طول ۷۲ ذرع اور عرض ۴۸ ذرع ہے اسکی دیوار نہایت بدیع الصنعت کاشانی پتھرون سے ڈھکی ہوئی ہے، فرش سنگ رخام کا ہے اور اس مین بکثرت عربی کتبے ہین،

مسجد گوہر شاد | مشہد کی عمارتون مین اہم اور قابل ذکر گوہر شاد کی مسجد ہے یہ مسجد حسن و جمال اور خوبی عمارت و استحکام کی ایک نشانی ہے، اس مین گوناگون نقش و نگار کے کاشانی پتھر لگائے گئے ہین اسکا طول ۵۲ ذرع اور عرض ۴۸ ذرع ہے، اس مین ایک بلند قبہ اور اذان کہنے کے لئے ایک اونچا چبوترہ بنا ہوا ہے مسجد کے چار دروازے ہین اس مین عہد سلاطین صفویہ و قاچاریہ مین بھی کچھ نہ کچھ تعمیری اضافے ہوتے رہے، اس مین جو کتبے ہین وہ سنگ رخام یا سنگ کاشان مین کھدے ہوئے ہین، انہی کتبون مین سے ایک کتبہ مین بانیۂ عمارت گوہر شاد کے ذکر و ثنا کے بعد آخر مین یہ عبارت لکھی ہے،

اتفق تحریرها فی اوائل شهر الله	یہ عبارت اوائل شہر رجب المرجب ۸۲۱ھ
المبارک رجب المرجب ۸۲۱ھ عمل	مین لکھی گئی، عبد ضعیف قوام الدین بن زین الدین
العبد الضعیف الفقیر المحتاج لعنایته	شیرازی نے اس کو بنایا،

الملک الرحمن،	قوام الدین بن زین الدین
الشیرازی الطیان،	" " " " "

مشہد کے دوسرے آثار قدیمہ مین مشہور تابعی ربیع بن خثیم کا مقبرہ ہے، شاہ طہماسپ صفوی، عباس مرزا بن فتح علی شاہ قاچار اور بہائی کا مقبرہ بھی یہین ہے اور ان کے علاوہ دوسرے سلاطین اور وزراء و صدور کی قبرین بھی ہین،

مشہد کے تاریخی حوادث | کتاب کی سب سے زیادہ طویل فصل یہی ہے، اس مین مصنف نے ان تمام حوادث کو جمع کر دیا ہے جو نو سو برس کی طویل مدت مین یہان گذرے، ان مین ہر قسم کے جنگی، سیاسی، عمرانی اور طبعی حوادث ہین، مثلاً دولت غزنویہ اور دولت سلجوقیہ کے عہد کے حوادث، قبائل غز کے حملے، تاتاریون اور مغلون کا تغلب، ترکمان اور ازبک قبائل کا ہجوم اس کے بعد صفویہ کا آغاز اور ان کا ان اطراف کے امراء پر اقتدار پھر ۱۰۰۹ھ مین دفعۃً اس پر ازبکون کا حملہ اور شہر مین قتل عام کرنا اس کے بعد شاہ عباس صفوی کا اس فتنہ کو فرو کرنا اور ازبکون کو وہان سے نکالنا، پھر ۱۱۳۵ھ مین صفویون کے ضعف کے بعد نادر شاہ کا اٹھنا اور اس حصۂ ملک کو فتح کرنا، نادر شاہ کے قتل کے بعد اس کے بھتیجے علی قلیخان کا ۱۱۶۰ھ مین اس پر قابض ہونا پھر امراء افغان کا اسکا محاصرہ کر لینا اور زندی فوجون کا ان کو وہان سے ہٹانا، اس کے بعد وہان کی طوائف الملوکی پھر آخر تیرھوین صدی ہجری کے آغاز مین قاچاریون کا ان ممالک پر قابض ہونا، یہ تمام واقعات نہایت شرح و بسط سے لکھے گئے ہین،

عہد مولف | ایک فصل مین مؤلف نے اپنے زمانہ کے حالات مشہد کو بھی لکھا ہے،

شہر کے چارون طرف ایک ناتمام شہر پناہ ہے یہ شاہ طہماسپ صفوی کے آثار مین سے ہے، اس شہر پناہ کا محیط تقریباً ایک فرسخ ہوگا، اس مین ۱۴۱ برج ہین، ہر دو برج کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا قدیم زمانہ کی بندوق کی زد کا ہوتا ہے، شہر کے چھ دروازے ہین، شہر کو ایک طویل سڑک جس کا عرض ۲۲ ذرع ہے،

دو حصون مین تقسیم کرتی ہی، شہر مین چھ بڑے اور باثر قبیلے اور دس چھوٹے قبیلے ہین، یہان تیس سے زیادہ حمام اور گیارہ سرائین ہین، مشہد مین ایران کے دوسرے شہرون سے زیادہ مدرسے ہین، اس مین تقریباً بیس مدرسے تو ایسے ہین جو عمارت اور کثرت طلاب کی حثیت سے اصفہان کے مدارس کے برابر ہین، یہان متعدد بڑے پرانے ہین جو زمین کے اندر اندر بہتے ہین، یہان کے مدارس مین قدیم ترین مدرسہ بالا ہین ہی جو شاہرخ گورگانی کے عہد حکومت ۸۲۳ھ مین قائم ہوا تھا، اس کے بعد وہ مدرسے ہین جو صفوی عہد حکومت مین قائم ہوئے، اکثر مدارس مین کتبے خط کوفی اور عربی خط نسخ مین ہین، اسی فصل مین مصنف نے مشہد کے مضافات اور ان اطراف کے دیہات اور پہاڑون کا بھی مفصل تذکرہ کیا ہی،

خاتمۂ کتاب مین مصنف نے مشہد کے دو سو سے زیادہ مشاہیر رجال کا تذکرہ بھی لکھا ہی، ان مین ہر طرح کے ارباب کمال مثلاً علما، محدثین، شعرا، صوفیا، خطاط، اور مجاورین مشہد داخل ہین

دار المصنفین کی نئی کتاب

سیر الصحابیات

از

مولوی سعید انصاری

جس مین نہایت مستند حوالون سے، ازواج مطہراتؓ، بنات طاہراتؓ اور عام صحابیات کے سوانح اور ان کے اخلاقی، مذہبی اور علمی کارنامے درج ہین، لکھائی چھپائی کاغذ اعلے، ضخامت ۲۲۵، قیمت ع۱۲،

منیجر

تلخیص و تبصرے

محمد اور عیسیٰ علیہما السلام

پروفیسر اے، جی، نہمی، نے نیشن اینڈ اینتھینیم مورخہ ۲۲ نومبر مین ایک مضمون لکھکر یہ دکھانے کی کوشش کی ہے، کہ آنحضرتؐ اور حضرت عیسیٰ کی کامیابی و شہادت اور ان کی اقوام کی اپنے مذہب سے دوری صرف حالات اور وقت کی بات تھی اور اگر حضرت عیسیٰؑ آنحضرتؐ کی جگہ ہوتے یا آنحضرتؐ ان کی جگہ ہوتے تو حضرت عیسیٰؑ یقیناً کامیاب اور آنحضرتؐ بلاشک و شبہہ مصلوب ہوتے، چنانچہ مسٹر موصوف تحریر فرماتے ہین،

"حضرت عیسیٰ اور رسول اسلام نے ایک ہی طرح اپنے کام شروع کئے"، دونون نے ایک "آسمانی حکومت" کی تبلیغ کر کے جو اس عہد کے عقائد اور سیاسی مفاد کے خلاف تھا کافی شہرت حاصل کر لی تھی، حضرت عیسیٰ کو اس کے لازمی نتیجہ سے دوچار ہونا پڑا، چند ہی سالون کے بعد وہ گرفتار ہوئے، مجرم بنے، اور شہید کر دیے گئے محمدؐ نے عمر طبعی حاصل کی، ایک حکومت کی بنا ڈالی جس نے مشرقی سلاطین کی عظمت کو قائم کر کے ان کو حکومت روم کا شریک و معاصر بنا دیا، ظاہراہم کو حضرت عیسیٰ کی زندگی عجیب نظر آتی ہی، لیکن درحقیقت آنحضرتؐ کی زندگی حیرت انگیز ہے"،

"دونون پیغمبر رومن حکومت مین پیدا ہوئے، لیکن حضرت عیسیٰؑ اندرونی صوبہ مین تھے اور آنحضرتؐ سرحدی صوبہ مین، برٹش سلطنت سے اگر تمثیل دون تو کہہ سکتا ہون کہ حضرت عیسیٰؑ کی مثال بنگال کے ایک باغی کی تھی اور حضرت محمدؐ کی قندہار کے ایک حملہ آور کی! اس لئے اول الذکر رومی والی نائبریس کے قبضہ مین تھے اور موخر الذکر ہرقل کے ضبط بھتون سے دور، آنحضرتؐ نے جب ہرقل کو خط لکھا تو اس نے نرم و مصلحت آمیز جواب دیا، لیکن دوسری طرف حضرت عیسیٰؑ تھے جو ہمیشہ حکومت کی اطاعت کرتے رہے،

سخت ترین سزا کے مستحق سمجھے گئے؛ حضرت عیسیٰؑ اگرچہ آنحضرتؐ سے کم نقصان دہ تھے لیکن چونکہ ان کو آسانی سے پا لیا گیا اس لئے وہ مظالم کا شکار ہوئے؛ انھون نے قیصر کے سامنے وہی چیز پیش کی جو اس مین تھی اور مصلوب ہوئے، لیکن آنحضرتؐ کے جانشینون نے قیصر کے صوبے لے لئے؛ پس یہ اختلاف ان کی ذاتون سے وابستہ نہ تھا، بلکہ حکومت سے مختلف تعلقات پر منحصر تھا"

"کوئی شخص بھی اس بات سے انکار نہین کر سکتا کہ اگر آنحضرت صلعم حضرت عیسیٰؑ کی جگہ ہوتے تو یقیناً وہ بھی مصلوب ہوتے، کیونکہ جب انھون نے تبلیغ کا کام شروع کیا تو اپنی جان ہتھیلی پر لئے تھے؛ اور آپ کو حضرت عیسیٰؑ سے کہین زیادہ خطرات کا سامنا تھا، کیونکہ آپ نے اپنا فرض ان وحشی قبائل مین شروع کیا جو حکومت روم کے متمدن لوگون سے زیادہ خوفناک، انتقام پسند، خونخوار اور بدخو تھے۔ آپ نے ابتدا مین بہت کم کامیابی بھی حاصل کی، چنانچہ ابتدائی تین سالون کا نتیجہ صرف تیس اشخاص تک محدود تھا، (اور یہ حضرت عیسیٰؑ کی تمام مدت تبلیغ ہے) ساتوین سال حالت نازک ہو گئی؛ مکہ والون نے اس جماعت سے اپنے تمام تعلقات منقطع کر لئے اور اگر وہان کے حالات بھی فلسطین جیسے ہوتے تو آپ کا خاتمہ زیادہ حسرت ناک ہوتا؛ جس چیز نے اسلام اور اس کے بانی کو بچا لیا، وہ عرب کے قبائل کی سیاسی خانہ جنگیان، اور حکومت روم سے دوری تھی، اور انھی چیزون نے اہل یثرب کو اس بات پر تیار کر دیا کہ جس شخص کو اہل مکہ نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے اور جس کے خون کے پیاسے تھے اس کو عزت سے لا کر اپنی تمام دولت محبت اوس پر نثار کر دین؛ محمدؐ نے دنیاوی کامیابی بھی حاصل کی لیکن یہ صرف واقعات و حالات کی بنا پر تھا، ورنہ اگر وہ ایسے حالات و واقعات مین نہ ہوتے تو دنیا کا کوئی گوشہ بھی ان کے لئے امن نہ ثابت ہوتا؛ پھر کیا اگر حضرت مسیحؑ ایسے حالات مین ہوتے تو وہ ایک "حکومت ارضی" کے قیام مین کامیاب نہ ہوتے؟ ہوتے اور یقیناً ہوتے اور اگر وہی حکومت پیغمبر کی تیغ بران کو نہ روکتی تو آج حواریین تخت حکومت پر جلوہ افروز نظر آتے"

"پس ہم دیکھتے ہین کہ دونون کا طریق عام یکسان تھا اور یہ عام عیسائی اعتراض کا ایک اٹل جواب ہے کہ محمد روحانیت سے زیادہ مادیت کے متلاشی تھے، اور عیسائیت صرف اپنی خوبیون کی بنا پر پھیلی اور اسلام زور شمشیر عام ہوا؛ واقعہ یہ ہے کہ صورت حالات اس کے بالکل متضاد تھی، "اسلام کہتا ہے" "اسلام یا جزیہ" لیکن دوسری طرف مسیحیت کا اعلان ہے "مسیحیت یا موت" چنانچہ اسلام کے ابتدائی فاتحین اور مشرق وسطی کی تبدیل مذہب کی تاریخ اس کی شاہد ہے؛ چنانچہ صدیون تک اگرچہ اسلامی فتوحات کا سیلاب بڑھتا رہا لیکن تبدیل مذہب کا کوئی سوال سامنے نہ آیا؛ لیکن بعد مین اسلام نے بھی وہی صورت اختیار کر لی جو اس سے سات سو سال قبل مسیحیت حکومت روم کے مغربی صوبون مین کر چکی تھی؛ تاہم یہ بات قائم رہ گئی کہ اگرچہ دونون ایک ہی حالات مین بڑھے، لیکن مختلف صورتین اختیار کر لین"

"کیا دونون بانیان مذہب کی تعلیمات اور ان کی حیات ہم کو یہی بتاتی ہین؛ یا یہ دونون جماعتون کے لوگون کے افسانے تھے؟ دونون گروہون کا قاعدہ ہے کہ وہ مخالف جماعت کے بدترین کارنامون کو ایک طرف اور اپنی بہترین تعلیمات کو دوسری طرف رکھکر مخالف کی صف پر حملہ کرتے ہین؛ اور یہ ایک ایسا ہتھیار ہے جس کی کاٹ کا کوئی جواب نہین"

"لیکن کیا اس سوال کا جواب بھی یہی نہین ہے کہ حالات و واقعات نے ان سے یہ سب کچھ کرایا؛ مثلاً اگر دوسری اور تیسری صدی عیسوی کے بہترین حالات کے بعد [illegible] کے بدتر حالات یا [illegible] کے بدترین واقعات رونما ہوئے اور انھون نے مسیحیت کو مغرب کی مادی ترقی کا سیاہ داغ لگا دیا، تو یہ سب کچھ حالات و واقعات پر منحصر تھا؛ اسی طرح اسلام کے زوال کے اسباب بھی پیش کئے جا سکتے ہین"

مصری اخبارات

تمدن جدید مین صحافت ایک بڑی طاقت ہے، یورپ نے اس سے جو مختلف کام لئے ہین وہ سب پر ظاہر ہین؛ مصریون مین سب سے پہلے قومیت کے بانی مصطفیٰ کامل پاشا نے اس اہمیت کو سمجھا اور اللواء کے ذریعہ اس کی تبلیغ شروع کی چنانچہ ایک عرصہ قلیل ہی مین اللواء تمام عالم

اسلامی کا ایک اہمترین روزنامہ بن گیا، پھر اس کے ساتھ Egyption Standard (انگریزی) اور Standard Egyption (فرنچ) مین روزانہ نکلنے لگے، اس وقت سے اخبارات کی تعداد برابر بڑھتی گئی، اور اس وقت اس چھوٹے سے ملک سے ۹۰ اخبارات شائع ہو رہے ہین، ان مین سے ۱۲ فرانسیسی مین، ۴ انگریزی مین، ۴ اطالوی زبان مین، ۸ یونانی مین ۳ ارمنی مین، ۱ ... زبان مین، ۱ فرنچ و عربی، ۱ عبرانی و عربی، ۱ فرنچ و اطالوی، ۱ فرنچ و انگریزی اور باقی ۵۴ عربی مین ہین۔

عربی اخبارات مین مندرجہ ذیل صحائف قابل ذکر ہین:-

الاہرام سنہ ۱۸۷۵ء مین قائم کیا گیا، یہ مصری کا سب سے بڑا حامی ہے، تمام عربی اخبارات سے اسکے ذرائع خبر مکمل ترین ہین،

المقطم سنہ ۱۸۸۸ء سے نکلتا ہے،

الاخبار سنہ ۱۸۹۶ء سے شائع ہوتا ہے،

المحروسہ سنہ ۱۸۸۰ء سے نکل رہا ہے،

وادی النیل سنہ ۱۹۰۸ء سے شائع ہوتا ہے،

البشیر، سنہ ۱۸۹۶ء سے وجود مین آیا ہے، یہ تجارتی اخبار ہے،

الوطن، سنہ ۱۸۷۶ء سے نکل رہا ہے،

مصر، سنہ ۱۸۹۱ء سے شائع ہوتا ہے،

الافکار سنہ ۱۸۹۸ء

الامۃ، سنہ ۱۹۱۵ء

المنیر سنہ ۱۹۰۷ء

نظام، سنہ ۱۹۰۹ء

اللواء، سنہ ۱۹۰۷ء

فرنچ زبان کے اخبارات

لالیبرٹی (LA LIBERTY) سنہ ۱۹۲۱ء سے شائع ہوتا ہے، بیچ مین بند ہو گیا تھا، لیکن اب پھر نکلتا ہے، اجپشینی (EGYPTIENE) سنہ ۱۹۰۶ء مین قائم ہوا، پروگریس، سنہ ۱۸۹۱ء سے نکلتا ہے، لاریفارمے (LAREFORME) فرانسیسی مفاد و اغراض کا حامی ہے، لاجرنل ڈو کیرو (LA JAR.DECAIRO) سنہ ۱۸۹۹ء سے شائع ہوتا ہے، لاڈلٹا (LADELTA) سنہ ۱۹۱۱ء اور یہ لاریفارمے کا نقش ثانی ہے، لاویرائٹے (LA VERITE) سنہ ۱۸۹۳ء سے نکلتا ہے، اور لاریویو اجپشینی (LAREVIEWEGYPTIENE)

اطالوی زبان کے اخبارات

لی امپرزیلی (L.IMPERZIOLE) سنہ ۱۸۹۱ء سے شائع ہوتا ہے، مسجرو ایجی زیانو (MESSEGERO EGIZIONO) سنہ ۱۸۷۶ء سے نکلتا ہے، اور لی رومہ (LEROME) سنہ ۱۹۱۸ء سے نکل رہا ہے، یہ تمام کے تمام، اطالوی اغراض کے وکیل ہے،

یونانی زبان کے اخبارات

لاکیرن (LA KAIRON) سنہ ۱۸۷۳ء سے نکلتا ہے، لی کرونوس فاس (LECHRONOS PHOS) سنہ ۱۹۰۸ء سے، تانی (TANEA) سنہ ۱۹۱۰ء سے،

یہ تین اخبار یونانی شہنشاہیت کے خلاف ہین اور لی افیمرس (L'EPHIMORUS) اور لی ٹیلیگرافس (LETELEGRAPHES) جو سنہ ۱۹۱۰ء اور سنہ ۱۸۸۲ء سے علی الترتیب نکلنا شروع ہوئے ہین، شہنشاہیت کے حامی ہین،

فارسی، ترکی اور جرمنی اخبارات

چہرہ نامہ، فارسی مین نکلتا ہے۔

الاجتہاد، کو ڈاکٹر عبداللہ جودت اور سرپرستی کو مولانا زادہ رفعت بے ترکی مین شائع کرتے ہین، جرمنی زبان مین سنہ ۱۹۱۴ء سے نکل رہا ہے،

(مسلم اسٹینڈرڈ)

اخبار علمیہ

سنہ ۱۹۲۱ء کا نوبل پرائز متعلق کیمیا اکسفورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر ساڈی کو ملا تھا، سنہ ۲۲ء کا اسی فن کا انعام کیمبرج یونیورسٹی کے پروفیسر آسٹن کو ان کی کیمیائی اکتشافات کی بنا پر دیا گیا ہے؛

سنہ ۱۹۲۱ء کا نوبل پرائز متعلق طبعیات، پروفیسر انسٹین کو عطا کیا گیا تھا اور سنہ ۲۲ء کا پروفیسر نامی بوہر کے ہاتھ آیا ہے،

سنہ ۱۹۲۲ء کے نوبل پرائز متعلق ادبیات کی فال اسپنی مصنف جسنتو بنی ونتو کے نام پر نکلی ہے، یہ ۱۰۰۰۰ پونڈ کا انعام ہے،

سرایم، دسوسار یہ ال انڈیا سائنس کانگریس کے جو اس مہینہ کے دوسرے ہفتہ مین لکھنو مین منعقد ہوئی تھی صدر تھے،

برگیڈ جنرل پریرہ جنوری سنہ ۱۹۲۱ء مین پیکن سے ۰۰۰، میل طے کرکے ۴ دسمبر سنہ ۲۲ء کو کلکتہ پہونچے ہین، انھون نے تقریباً نصف مسافت پیدل طے کی ہے؛

برطانوی حکومت کی جو نمائش آئندہ سال لندن مین ہونیوالی ہے، اس کے ہندوستانی حصہ کی عمارت کے لئے ۱۱۲۰۰۰ پونڈ دئے گئے ہین؛

ہندوستان کے تاریخی کاغذات کے کمیشن کا جو پانچوان اجلاس وسط ماہ مین ہوا تھا، اسکا افتتاح لارڈ لیٹن نے کیا تھا، کمیشن کے سکرٹری مولوی عبد العلی الیف، آر، ایس، ای، ایم، اے نے جوان کاغذات کے ناظم بھی ہین، ان تاریخی نسخون کی جو خطاطی کی حیثیت سے کوئی خاص خوبی رکھتے ہین، نمائش کی تھی؛

بمبئی کی زنانہ یونیورسٹی نے حال ہین، اپنی اس عمارت کی رسم افتتاح انجام دی ہے جو ان طالبات یونیورسٹی کے لئے بنائی گئی ہے جو ایام تعطیل مین یہان آ کر اجتماعی زندگانی بسر کرنا چاہتی ہین، یونیورسٹی مذکور عنقریب ایک مستقل دار الاقامہ بھی بمبئی مین تعمیر کرانے والی ہے؛

برزلین کے ایک نوجوان سائنس دان الکٹیو میلکس ہیڈرد نے ایک ایسا طریقہ ایجاد کیا ہے جس سے حبشی بے تکلف، گورے بن سکتے ہین؛ وہ ایک ہاتھ یا پیر سے ایک نالی کے ذریعہ خون نکالتا ہے، اس کو صاف کرتا ہے، اور دوسرے ہاتھ یا پیر کے ذریعہ بدن مین ایک دوسری نالی سے داخل کرتا ہے، رنگ کی اس تبدیلی مین تقریباً ایک مہینہ صرف ہوتا ہے،

آجکل ایک عجیب قسم کی گھڑی بنائی جارہی ہے جس مین، ریڈیم کا ایک چھوٹا سا ذرہ رکھدیا جائیگا، جسکی وجہ سے وہ کسی چابی کے بغیر ایک ہزار سال تک یون ہی چلتی رہیگی؛ ابھی تک اس مین پوری کامیابی حاصل نہین ہوئی ہے، لیکن امید کیجاتی ہے کہ بہت جلد تمام مشکلات دور ہو جائینگی؛

رائل کالج آف فیزیشین نے اس سال، ۱۱۲ اشخاص کو طبابت کی سند دی ہے، اس مین ۶ ہندوستان اور ۲ سیلون کے بھی ہین؛

کلکتہ مین کالاآزار سے جو اموات گذشتہ تین سالون مین ہوئی ہین، وہ تدریجی ترقی دکھاتی ہین:-

سنہ	مریض	اموات
۱۹۱۹ء	۷۷۴	۱۰۹
۱۹۲۰ء	۵۸۰	۱۶۲
۱۹۲۱ء	۶۴۵	۲۰۴

ایک اور خاص بات جو اس طرف دیکھی گئی ہے وہ یہ ہے، کہ یہ مرض ہندوستانی عیسائیون، غیر ایشیائی قومون اور اینگلو انڈین لوگون مین بڑھتا جاتا ہے؛

صوبہ متحدہ کے محکمۂ زراعت کی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ گذشتہ سال تقریباً ۴۰۰۰۰۰ ایکڑ زمین مین، پوساکا گیہون بویا گیا تھا، اور اس کی وجہ سے کاشتکارون کو تقریباً پندرہ روپیہ فی ایکڑ یا ۶۰۰۰۰۰۰ روپیہ کا مزید فائدہ ہوا، اور اگر جدید طریقہ سے کاشت کیجاتی تو اس سے زیادہ کی امید تھی؛

پنجاب مین ۱۶۰۰۰۰ ایکڑ مین یہ گیہون بویا گیا اور اس صوبہ سے بہتر ثابت ہوا؛ سنہ ۱۹۲۱ء کی شاہی زرعی نمائش، سڈنی مین، اول دو انعامات اسی گیہون کو ملے تھے،

اس سال کنیڈا کی کاشت ہمیشہ سے اچھی ہوئی ہے، اس سال تمام اجناس ۳۰۰۰۰۰۰۰ بوشل پیدا ہوئے ہین جو گذشتہ سال سے ۱۰۰۰۰۰ بوشل زیادہ ہین؛

۳۱ مارچ سنہ ۲۱ء تک ۳۷،۰۲۹ میل ریل کی سڑکین ہندوستان مین تھین، ان مین سے ۲۶،۸۸۹ سرکاری، ۴۲۹۴ مختلف ریاستون کی اور ۵۸۴۶ کمپنیون کی ملکیت ہین؛ ان مین کام کرنیوالون کی مجموعی

تعداد، ۷۵۱،۷۵۲ ہے جس مین،

یورپین ۶۹۰۱ اینگلوانڈین ۱۱۶۹۹ اور ہندوستانی ۷۲۳۱۵۲ ہین؛

آسٹریا مین بٹن، بکلس اور زیورات کے بنانیکا نیا طریقہ ایجاد کیا گیا ہے، یعنی یہ چیزین موٹے کاغذ اور کارڈ بورڈ سے تیار کیجاتی ہین اور بازارون مین بہت مقبول ہو رہی ہین؛

برطانوی حکومت کی نمائش کی شرکت کیلئے جو آیندہ فروری مین لندن مین ہوگی، ۱۵۰۰۰ دعوت نامے ہندوستان اور سٹیٹ سٹلمنٹ کو بھیجے گئے ہین،

ڈاکٹر او الیف، رینیہولڈ (میپل وڈ) نے کراسن کے تیل کو منجمد کرنے کی ترکیب معلوم کی ہے؛ اس منجمد تیل کو آدمی جیب مین رکھکر جہان چاہے برف کے ٹکڑے کی طرح لیجاسکتا ہے اور جب ضرورت ہو اس کو پگھلا کر یا پانی مین ڈال کر لیمپ روشن کر سکتا ہے، اور اگر کوئی لیمپ بھی موجود نہ ہو تو خود اسی ٹکڑہ کو روشن کیا جاسکتا ہے جو موم بتی کی طرح جلیگا؛

گلیڈس پورٹشیا نامی عورت نے یہ کمال پیدا کیا ہے کہ وہ صرف اپنے اوپر کے دانتون پر اپنے تمام جسم کا بار برداشت کر لیتی ہے، اور ایک منٹ تک وہ اس توازن کو قائم رکھتی ہے؛

کاہل الوجود اشخاص کیلئے جو صبح کو اٹھکر آگ سلگانا پسند نہین کرتے، ایک فرانسیسی نے ایک گھڑی ایجاد کی ہے، جو تیزابی چولہے کو خود بخود روشن کر دیتی ہے؛ اور جس وقت گرم پانی چاہین مل سکتا ہے؛

توام لڑکون کے متعلق جو ایک دوسرے کے جسم سے جدا نہ ہو سکتے ہون، یہ بات ثابت ہو چکی تھی کہ ان کے ظاہری حرکات، تمامتر ایک ہوتی ہین، اور ایک دوسرے کا حال ان کو فوراً معلوم ہو جاتا ہی، کہ جو بیٹھنے، چلنے، یا کام کرنے ہین، دوسرے کو کچھ تکلیف نہین ہوتی، اب ڈاکٹر ڈگیسل نے مختلف تجربون کی بنا پر یہ ثابت کیا ہی کہ ان کے نفسی حالات بھی تقریباً ایک ہی ہوتے ہین، چنانچہ انھون نے دو توام لڑکیون کو جو باہم ملی ہوئی تھین، بلا کر دو طرف منھ کرا کے بٹھایا اور دونون سے نقوش و تصاویر بنانے کو کہا، دونون نے بعینہ ایک ہی قسم کی تصویرین اور نقوش بنائے؛

نیویارک شہر کے ایک محلہ مین برسون کی محنت اور ۵۰۰۰۰۰ ڈالر کے خرچ سے، آتش زدگی کی اطلاع دینے کی نئی ترکیب ایجاد کی گئی ہی، اس ذریعہ سے اطلاع صرف ۱ سکنڈ مین مرکزی اسٹیشن سے ہوتی ہوئی مطلوبہ اسٹیشن تک پہونچ جائیگی،

اہرام مصر جن کو چیوپس نے تیار کرائے تھے، ۲۵۰۰۰۰ آدمیون کے بست سالہ محنت کے نتائج ہین،

دنیا کی سب سے بڑی مصنوعی جھیل مصر مین ہی؛ اس کا دائرہ ۵۶۰۰ فرلانگ ہی،

تاج محل کی تعمیر مین ۳۰۰۰۰۰۰ پونڈ صرف ہوئے تھے، اور ۲۰۰۰۰ آدمیون نے ۲۲ سال تک کام کیا،

بعلبک (شام) کے مندر مین، ۶۲ فٹ لمبے، ۲۰ فٹ چوڑے اور ۱۵ فٹ موٹے پتھر لگائے گئے ہین؛ انسانی قوتین کبھی بھی ان سے زیادہ بڑے پتھرون کو کام مین نہین لا سکی ہین،

دیوار چین ۱۲۳۰ میل لمبی اور ۲۰ فٹ بلند ہی؛ بعض ۲۵ فٹ چوڑی ہین اور اوپر کی چوڑائی ۱۵ فٹ ہی،

پیرس کا ایفل ٹاور، دنیا کا بلند ترین مینارہ ہی؛ اس کی بلندی ۹۸۴ فٹ ہی، یہ اس جگہ بنایا گیا ہی جہان ۱۸۸۹ء مین نمائش ہوئی تھی،

سیسہ کے کام کرنے والون کو اکثر اس کے زہر کا شکار ہونا پڑتا ہی؛ اس کا برادہ، یا دھوان سانس کے ذریعہ پھیپھڑون تک پہونچکر ان کو مسموم کر دیتا ہے،

پیرس کا ایفل ٹاور ریڈیو اسٹیشن، وہ تمام انتظامات کر رہا ہی جن کے ذریعہ وہ تمام دنیا کو، دن مین تین مرتبہ موسم کے حالات سے واقف کر سکیگا،

اڈنبرا، یونیورسٹی کے مشہور ماہر کیمیات ڈاکٹر الکزنڈر کرم براون کا ۸۵ سال کی عمر مین انتقال ہوا، انھون نے تقریباً ۵۰ سال تک یونیورسٹی مین خدمات انجام دی تھین اور تمام دنیا مین اپنے فن کے مستند استاد تسلیم کئے جاتے تھے؛

مجلس اقوام کی یونین، نے سینٹ البنس مین دنیا کی ۵۲ اقوام کی مصنوعات کی نمائش گذشتہ نومبر مین کی تھی؛

حال مین جنوبی افریقہ مین، ایک نئی یونیورسٹی قائم کی گئی ہے۔

روسی انقلاب کے بعد سے اس وقت تک ۱۵،۰۷،۲۱۸ آدمی مارے جا چکے ہین ان کی تفصیل یہ ہے:

بشپ	۲۸
پادری	۳۱۵
پروفیسر اور مدرسین	۶۷۷۵
ڈاکٹر	۸۸۰۰
فوجی افسر	۵۴۰۰۰
سپاہی	۲۶۰۰۰۰
پولس افسر	۱۰۰۰۰
پولس سپاہی	۴۸۵۰۰
زمیندار	۱۲۹۵۰
تعلیم یافتہ اور متوسط درجہ والے	۲۵۵۲۵۰
کسان	۸۱۵۱۰۰
	۱۵،۰۷،۲۱۸

بورنیو مین ایک قسم کا مکڑہ پایا گیا ہے جو چھوٹی چھوٹی چڑیون کو اپنے جال مین پھنسا کر ان کے گوشت پر زندگی بسر کرتا ہے؛

سرے (انگلستان) مین ایک دیہات کے آثار پائے گئے ہین، اس کے متعلق ماہرین اثریات کا خیال ہے کہ عہد حجری کا دیہات ہے؛

ڈاکٹر لینگ مین (جرمنی) نے حال مین ایک ۲۰ سالہ گھوڑے پر عمل جراحی کر کے ان کے غدود نکال دیے اور اب وہ ایک دہ سالہ گھوڑے کی طرح نظر آتا ہے؛ اب وزارت زراعت دوسرے جانورون پر بھی اسکا تجربہ کر رہی ہے؛

دنیا کا سب سے بڑا سکہ تانبے کا ایک سکہ ہے جو ۱۱ انچ مربع ہے، اور اس کا وزن ۶½ پونڈ ہے،

انگلستان کے سب سے زیادہ با اثر اور مشہور اخبار ٹائمس کو جو لارڈ نارتھ کلف کی ملکیت تھا، مسٹر جان والڈر نے خرید لیا ہے؛

انسائکلوپیڈیا برطانیہ کے جدید اڈیشن مین ہندوستان کے بعض اکابر کے نامون کا بھی اضافہ کیا گیا ہے؛ مثلاً ڈاکٹر ٹیگور، مسٹر گاندھی، سر این، این بنرجی، آغا خان، مسٹر گوکھلے وغیرہ، اس حصہ کو مسٹر الیف، ایچ، براؤن اور مسٹر کاٹن نے مرتب کیا ہے؛

بے تار کی تار برقی نے یہان تک ترقی کی ہے، ایک شخص جہاز پر شہر سے سیکڑون میل دور رہکر بھی بہترین ڈاکٹرون کی ہدایات حاصل کر سکتا ہے؛

ادبیات

کلام شاد

حضرت شاد عظیم آبادی، اب طرز کہن کے اساتذۂ سخن اور کملائے فن، مین تنہا رہ گئے ہین، حقیقت یہ ہو کہ وہ اس دور مین سخنوران اردو، اور ذوق شناسان ادب ہند کی بزم مین صدر کی حیثیت رکھتے ہین؛

جس زمانہ مین مخزن کا اوج شباب تھا اور اردوے معلّٰی زندہ تھا، وہ اسی حیثیت سے یاد کئے جاتے تھے، مگر اب مدت سے وہ اس طرح خلوت نشین ہین کہ لوگون نے ان کو جیتے جی مردہ سمجھ لیا، یہان تک کہ دو مہینے ہوے کہ لاہور کے ایک ادبی رسالہ نے ان کو "مرحوم" لکھدیا، شاد ہماری دنیا سے ناشاد جب ہی رخصت ہو جائین، لیکن ان کی روح ان کے قالب سخن مین رہ کر یقیناً زندۂ جاوید رہیگی،

ہم اپنے ایک عظیم آبادی دوست کے ممنون ہین کہ اونھون نے **معارف** مین اس زندۂ جاوید نسخہ کی ایک فرد بھیجی ہو جو ہدیۂ ناظرین ہو،

اسی سلسلہ مین یہ خبر بھی مسرت سے سنی جائیگی کہ دیوان شاد ترتیب پاکر جامعۂ ملیہ پریس علی گڈھ مین زیر طبع ہو،

ہم سے نہ حق ادا ہوا عشق کرشمہ ساز کا	شکوہ کرین تو کیا کرین، جان بہانہ باز کا
قصۂ ہجر تا کجا، تھک بھی چکی میری زبان،	ہو بھی تو ختم کہین اس گلۂ دراز کا
ہو گی جب اپنی آنکھ بند، آئیگا وہ بھلی کہی	دیکھ سکا نہ جو سمان، دیدۂ نیم باز کا
بوسۂ سنگ آستان مل نہ سکا ہزار حیف	آگے قدم نہ بڑھ سکا، ہمت سرفراز کا
اے دل مضطرب ٹھہر وقت سوال بھی تو ہو	ہم کو بھی نام یاد ہے، اپنے گدا نواز کا

جلوۂ حسن کی طرف، دیکھ تو کچھ پتا چلے	جانے دے، ولولہ نہ پوچھ، عاشق پاکباز کا
پیر مغان کے معجزے دیکھ چکے ہو واعظو!	تم نہ پوچھو تو خیر، حکم تو دو جواز کا
بار سبو وہی اٹھائے جس پہ ہو فضل مے فروش	زاہد خشک یہ بھی کیا، بوجھ ہو جانماز کا
خوش تو ہین ذکر حشر سے منتظران سادہ لوح	ہو نہ کرشمہ یہ کسی دلبر حیلہ ساز کا
آئے اگر عروس دہر بھول کے میکدے مین اب	کہہ دو یہ صومعہ نہین، زاہد پاکباز کا
اسکی گلی مین دو قدم بھی نہ بڑھی تھی اہل شوق	بھول گیا ابھی سے دم نالۂ عرش تاز کا
ان کے پیام کا جواب کس نے کہا کہ نالہ ہے	کوئی علاج کیا کرے، ایسے زبان دراز کا
دیر سے منتظر ہین وہ، عذر تو کر خدا کو مان	جان بلب رسیدہ آہ، کون محل ہو ناز کا
خاک بہت سی چھان کر دشت و جبل کی ہم پھرآئے	شاد پتا ملا نہ آہ، قافلۂ حجاز کا

حسیات جوش

جناب شبیر حسن صاحب جوش ملیح آبادی

دیر سے منتظر ہون مین، بیٹھ نہ یون حجاب مین	تارونکی چھاؤن ہو درآ، میری دل خراب مین
کس سے کہون مین داستان طول شب فراق کی	جاگ رہا ہون ایک مین سارا جہان ہو خواب مین
اشک فراق شمع ہو بزم نشاط حسن کی	شبنم تازہ کھنچ گئی صبح کو آفتاب مین
توڑ دے قلعہ خاک کا، فتح تو کر لے قصر تن	ہو گا نہ یون تو کامیاب، شیوۂ بو تراب مین
ساقی دلنواز نے بہر نظام انجمن	ہم کو کیا ہو ہوشیار، میکدۂ شباب مین
بستۂ زلف ماسوا! تیری نگاہ تشنگی،	ڈھونڈھ رہی ہو چشمۂ آب بقا سراب مین
یون تو حریم ناز مین کتنے ہی دل ہوئے تھے جیش	حکم شکستگی ہوا میرے ہی دل کے باب مین
بزم طرب مین جوش اگر لحن سے مین غزل پڑھون	پردون سے لو نکل پڑے آگ لگے رباب مین

باب التقریظ والانتقاد

اخبار الاندلس

وہ قطعۂ ارض جہان اسلام کا آفتاب چھ سو برس تک چمک کر ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا، دنیا کے تنتیس کروڑ انسانون کیلئے مایۂ عبرت ہی، لیکن اس سے زیادہ عبرتناک واقعہ یہ ہی کہ جہان اس قطعۂ ارضی کی تقریباً پچاس لاکھ مسلمان مخلوق فنا ہو گئی، وہان اس کے ساتھ اس کی شاندار تاریخ کے اوراق بھی بادِ صرصر کے جھونکے سے یہان وہان منتشر ہو گئے، عربی زبان کا تاریخی سرمایہ حیرت انگیز طور سے وسیع ہی، لیکن مقام حسرت ہی کہ اس مین **اندلس** کی مکمل اور مفصل تاریخ کی کوئی کتاب اب موجود نہین، یا اگر کسی قدیم کتبخانہ کے گوشۂ عزلت مین موجود ہی تو وہ ہماری بے توجہی اور انداز تغافل پر نوحہ خوان ہے،

اب عربی زبان مین اندلس کی سب سے بڑی اور مفصل تاریخ جو کچھ موجود ہی وہ **نفح الطیب** کی چار ضخیم جلدین ہین، لیکن یہ سنکر افسوس ہو گا کہ نوین صدی کے آخر مین لکھی گئی ہی اور اس کا آخری ورق اس وقت لکھا گیا ہی جب مسلمانون کا آخری قافلہ غرناطہ کی دیوار کے نیچے سے کوچ کر رہا تھا، اس کتاب کا بڑا نقص یہ ہی کہ مقفی مسجع فقرون، فضول اور حشو عبارتون، تکلف اور آورد کے الفاظ مین اصل سر رشتۂ سخن گم ہو ہو جاتا ہی، مضمون کے صفحے پڑھتے جائیے تو چند سطرین کام کی ہاتھ آتی ہین، اس کے علاوہ مسلسل تاریخی واقعات کی کڑیان اس مین نہین ملائی گئی ہین،

نفح الطیب کے علاوہ اندلس کی تاریخ کا عربی مین جو سرمایہ ہی اور جو بیشتر یورپ مین چھپ گیا ہی اور الحمد للہ کہ اس کا اکثر حصہ دار المصنفین کے کتبخانہ مین موجود ہی وہ الگ الگ خانوادہائے سلطنت کی تاریخین یا علما اور شعرا کے تذکرے ہین جو مسلسل سیاسی تاریخ کا کام نہین دے سکتین، البتہ ابن خلدون اس سے

مستثنی ہے،

یورپ مین متعدد مستشرق علمائے اسلامی اندلس کی مفصل تاریخ لکھی ہی، اور اس درد اور محبت سے لکھی ہی کہ کبھی یہ گمان ہونے لگتا ہی، کہ ہمارے عیسائی دوستون کو مسلمانون سے زیادہ اندلس کی تباہی کا ماتم ہی، ان ہمدرد مصنفین مین سے پروفیسر ڈوزی، کانڈی، اور اسکاٹ کی تصنیفات خاص طور سے پسندیدہ ہین جنہون نے عربی اور اسپینی کتابون سے اپنا سرمایۂ معلومات حاصل کیا ہی، انھین کتابون کی مدد سے بعض انگریزی دان اہل علم نے اردو زبان مین اندلس کی تاریخ تالیف اور ترجمہ کی ہی، اس سلسلہ مین سب سے بڑی کتاب نواب ذو القدر جنگ کی خلافت اندلس ہی، کانڈی کی مختصر کتاب کا ترجمہ مولوی سید عبد الغنی صاحب مرحوم بہاری نے کیا ہی، اور اب ہمارے پیش نظر ایس پی اسکاٹ کی تاریخ اندلس مترجمہ منشی خلیل الرحمان صاحب ہی،

منشی محمد خلیل الرحمان صاحب (متوطن سرادہ ضلع میرٹھ مقیم لاہور) ایک خاص حیثیت سے قابل مبارکباد ہین، یہ ان خوش قسمت لوگون مین ہین جو ملازمت کی پابندیون کے باوجود علمی خدمات مین مصروف رہتے ہین، اور اس سے زیادہ خوش قسمتی یہ ہی کہ موصوف نے اپنے نوجوان فرزندون کو بہترین تعلیم دلا کر انکو بھی قوم و ملک کے علمی خدمتگذارون کی صف مین داخل کر دیا ہی، ان کے ایک صاحبزادہ پروفیسر نعیم الرحمان ایم اے مدراس یونیورسٹی مین عربی و فارسی کے پروفیسر ہین اور اردو کی ترقی مین وہان کوشان ہین اور ابھی حال مین اپنے بزرگ والد ماجد کی تقلید مین "دولت موحدین" نام ایک کتاب عربی سے ترجمہ کی ہی، دوسرے صاحبزادہ جمیل الرحمان ایم اے جامعہ عثمانیہ مین اسلامی تاریخ کے معلم ہین اور تاریخ اسلام پر ان کے اکثر مضامین و تراجم اردو رسالون مین شایع ہوا کرتے ہین اور تیسرے صاحبزادہ مقصود ولی الرحمان صاحب بی اے فلسفہ کا ذوق رکھتے ہین ان کے بعض فلسفیانہ مضامین معارف مین اور انگریزی رسائل مین نکل چکے ہین،

ہم نے اس ضمنی واقعہ کو طول اس لئے دیا کہ ہم مین ایسے خاندان کی تقلید کا شوق پیدا ہو، اور ہم سمجھین کہ ہمارے نوجوان اپنی اعلی تعلیم سے ملک و ملت کی کیونکر خدمت انجام دے سکتے ہین،

منشی محمد خلیل الرحمان صاحب کو اندلس کی تاریخ سے بے انتہا ذوق ہو اور جیسا کہ انھون نے کبھی ہم کو لکھا تھا انھون نے اس ملک کی تاریخ کا تمام ممکن الحصول سرمایہ جمع کیا ہی، نفح الطیب کی تلخیص اور اس کو حشو و زوائد سے پاک کر کے مسلسل تاریخ کی صورت مین بعض علمائے یورپ نے اپنی زبان مین کر دیا ہے، منشی صاحب نے اس کا ترجمہ اردو مین کیا اور انجمن ترقی اردو نے اس کو اپنی طرف سے شائع کیا اس کے بعد انھون نے اسکاٹ کی مفصل ترین تاریخ اندلس کا ترجمہ شروع کیا، اور اس کو جزء جزء کر کے ماہوار چھاپکر شائع کیا، اور اب ایک پوری جلد اخبار الاندلس کے نام سے ۷۶۲ صفحات مین چھپکر تمام ہوئی ہے،

ان ۷۶۲ صفحون مین چودہ ابواب ہین، جن مین سے پہلے سات بابون مین اعراب قدیمہ، اسلام کا ظہور، ملک مغرب کی تسخیر، خاندان وزیگاتھ کی سلطنت، اسپین پر حملہ اور فتح، زمانۂ امارت، بادشاہت اندلس کا مستقل قیام، کا بیان ہی، باقی سات ابواب مین صرف اموی خاندان کے بادشاہون کی تاریخ عبد الرحمان اول سے لیکر ہشام ثانی تک لکھی گئی ہی، اس سے اندازہ ہوگا کہ تاریخ اندلس کا ابھی کتنا بڑا انبار آئندہ جلدون کے لئے باقی ہے،

اسکاٹ نے اس کتاب کی تالیف مین پورے بیس برس صرف کئے ہین، اور خاص اندلس جا کر رہا ہی اور وہان کے رسوم و عادات اور حالات کا بچشم خود مطالعہ کیا ہی، عربی اور اسپینی اور دوسری تمام یورپین زبانون کے خزنون سے اس ملک کے اسلامی تعلقات و واقعات کا سرمایہ دانہ دانہ فراہم کیا ہی، ایسی کتاب کے ترجمہ کے لئے ہم جس قدر ممنون ہون کم ہی، اگر صرف وہ نفس ترجمہ ہی تک اکتفا کرتے تو بس تھا، مگر اس سے زیادہ کرم انھون نے یہ کیا ہی کہ ترجمہ مین جا بجا مفید حواشی و تعلیقات اضافہ کئے ہین، جن سے یہ ترجمہ اور بھی زیادہ کار آمد اور مفید بن گیا ہے،

ترجمہ صاف، سلیس اور روان ہے، اصل مصنف گو منصف سہی مگر عیسائی تھا، اس لئے تعصب سے یا جہالت سے اسلام کے متعلق بعض فاش غلطیان کی ہین یا اعتراضات کئے ہین، مترجم نے حواشی

مین ان کے جوابات دئے ہین، اسی سلسلہ مین ہم کو مترجم سے اختلاف بھی کرنا ہی کہ انھون نے صفحہ ۱۰۵ مین اصل مصنف کے بارہ صفحات ترجمہ مین اس لئے چھوڑ دئے ہین کہ اس نے ان مین قرآن مجید، کعبہ مکرمہ، وغیرہ کی نسبت بے سر و پا باتین لکھی تھین، لیکن ہمارے خیال مین ان کا ترجمہ بھی ضروری تھا، تاکہ مسلمانون کو یہ نظر آئے کہ ہمارے ہمدرد اور دوست یورپین مصنفین کے خیالات ہماری نسبت کیا ہین، اور ان کے معلومات اس باب مین کس درجہ ناقص ہین، پنجاب کے تلفظ کی تقلید مین "اسپین" کی جگہ "سپین" لکھنا بھی ہم کو پسند نہین، ترجمہ مین محاورات کی غلطیان نمایان ہین، جو گو اصل مفہوم مین خلل انداز نہین، مگر مذاق سلیم کے لئے یقیناً ناخوشگوار ہین، امید ہی کہ جناب مترجم آئندہ اس کا لحاظ رکھینگے،

لکھائی چھپائی صاف، کاغذ متوسط، ہر مہینہ کے شروع مین کتاب کے ایک یا دو باب وی پی عار روپیہ مع محصول مین خریدارون کو بھیجے جاتے ہین، پہلی جلد کی قیمت عـہ ہی، پتہ:- نصیر کاٹیج، ربانی روڈ، لاہور، مولوی معتقد ولی الرحمان بی اے،

اسوۂ صحابہ جلد دوم

از

مولنا عبد السلام ندوی

کتاب مذکور کا دوسرا حصہ جس مین صحابۂ کرام کا نظام سیاسی اور ملکی انتظامات اور علمی خدمات کی تفصیل ہی، تفسیر، حدیث، فقہ، اسرار دین، تصوف وغیرہ علوم جس قدر صحابہ کے عہد مین پیدا ہو چکے تھے ان کی تفصیل ہی، ضخامت ۴۵۰ صفحات، قیمت للعہ

منیجر

مطبوعات جدیدہ

محاسن یوسفی، یہ رسالہ جناب مولنا عبدالباری صاحب فرنگی محلی، نے مسلمان اسیرون کے فرائض اور قیدخانہ کے آداب پر لکھا ہی، اسی ضمن مین صوفیا کے مختلف خانوادون کے اوراد اشغال وطرق بھی درج کئے ہین، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ رسالہ کا بڑا حصہ انھین مضامین پر ہے، اس کتاب کی توصیف مین ہم صرف اسی قدر کہنا چاہتے ہین کہ یہ جناب مولنا عبدالباری صاحب کی تصنیف ہے اور خلوص سے لکھی گئی ہی، لکھائی چھپائی، کاغذ، عمدہ، قیمت عمر، پتہ :- مولوی صبغتہ اللہ صاحب شہید، فرنگی محل، لکھنؤ،

خطوط اکبر، اکبر الہ آبادی مرحوم کے وہ خطوط جو انھون نے وقتاً فوقتاً جناب خواجہ حسن نظامی صاحب کو لکھے، خواجہ صاحب نے ان کو اس کتاب مین ترتیب دیا ہی، ان خطوط مین تصوف، زہد، عبادت، دنیا سے بیزاری، تغیرات عالم سے عبرت، اور بعض ذاتی معاملات کے تذکرے ہین، مرحوم اردو کے کوئی بڑے انشاپرداز نہ تھے، تاہم زبان کی صفائی اور سادگی، اور چھوٹے چھوٹے فقرون مین ادائے مطلب کی خوبی ان مین بدرجہ اتم موجود ہے، افسوس ہی کہ ان خطوط کی اشاعت مین کوئی ترتیب نہین، صفحات ۷۶، قیمت عہ پتہ :- حلقۂ مشائخ بک ڈپو، دہلی،

مذہب کی باتین، ضیاء العلوم مفتی انوارالحق صاحب ایم اے، ناظم تعلیمات سرکار بھوپال نے اس نام سے ایک چھوٹا سا مذہبی رسالہ بچون کی تعلیم کے لئے لکھا ہی، گیارہ سبقون کے اندر بچون کی زبان مین نہایت شیرین، سہل اور دلچسپ انداز مین ان کو اسلامی عقائد کی باتین بتائی ہین، چھوٹی تقطیع ۲۵، صفحے، قیمت شاید پانچ ۶ آنے ہو، پتہ: محمد خان ایم اے برادرز اینڈ کو، بھوپال،

ٹولسٹائے، روس کے مشہور اشتراکی حکیم ٹولسٹائے کے مختصر حالات زندگی جس نے اپنی

مرنے کے بعد اپنی تعلیمات کے اثر سے تمام روس مین انقلاب پیدا کر دیا ہی، چھوٹی تقطیع قیمت ۴ر، ۳۲ صفحے، پتہ :- جامعہ ملیہ اسلامیہ، علی گڈہ

اردوئے معلّی، مرزا غالب کے خطوط کا مجموعہ، دو حصون مین دو نامون سے شائع ہوا تھا، اردوئے معلّی اور عود ہندی، شیخ مبارک علی صاحب تاجر کتب لاہور نے ان دونون حصون کو یکجا کر کے اچھے کاغذ پر چھپوایا ہی، امید ہے کہ اہل ذوق قدر کرینگے، ضخامت ۴۰۰ صفحے، تقطیع بڑی، قیمت ۱؏ پتہ: شیخ مبارک علی صاحب تاجر کتب، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور،

مجموعۂ خطب حمیدیہ، کے حاجی محمد محی الدین صاحب تاجر کتب بنگلور، ہمارے خیال مین خطۂ مدراس مین تنہا شخص ہین، جو اس ملک مین مذہبی کتب و تصنیفات کی اشاعت مین مصروف رہتے ہین، وہ اس سے پہلے متعدد مذہبی کتابین شائع کر چکے ہین، یہ مجموعۂ خطب بھی انھین نے شائع کیا ہی، مولوی محمد عبدالمجید خان صاحب رئیس سہاور نے ان خطبون کو عربی اور اردو، نثر اور نظم مین ترتیب دیا ہی، جمعہ اور عیدین کے خطبون مین مسلسل نظمون کا پڑھنا کچھ اچھا نہین معلوم ہوتا، اس لئے اس سے احتیاط بہتر تھی، صفحات ۴،۳۲، قیمت: کاغذ چکنا ۶، روکھا ۴، پتہ :- ابوالمسعود محمد عبدالرزاق تاجر کتب موچی بازار معسکر بنگلور،

پھولون کی کلیان، جناب سید امتیاز علی صاحب تاج کے قلم سے، یہ نو کہانیون کا مجموعہ ہے، یہ کہانیان بچون اور بچیون کے لئے لکھی گئی ہین، جو دلچسپ اور نتیجہ خیز ہین، اور ان کی زبان بھی صاف اور آسان ہی، ۶۳ صفحات لکھائی چھپائی اچھی، قیمت شاید ۸ر ہو، پتہ: دارالاشاعت پنجاب لاہور،

اسلامی مساوات، جناب محمد حنیف اللہ صاحب پھلواروی نے اسلامی مساوات پر یہ ایک مختصر رسالہ لکھا ہی جس مین اردو کی مختلف کتب و رسائل سے انتخاب کر کے، اسلامی مساوات کے محاسن بتائے ہین، چھوٹی تقطیع، ۶۳ صفحات، قیمت ۸ر، پتہ: مسلم ایسوسی ایشن بک ڈپو پھلواری شریف

ضلع پٹنہ،

تلاش راز، جناب مولوی نیاز صاحب فتحپوری کا ایک مختصر اخلاقی افسانہ جس مین خوبی کے ساتھ یہ دکھایا ہو کہ حیات انسانی کا مقصود اصلی کیا ہونا چاہیے، اور اصل راحت ابدی کس چیز مین ہو؟ ۴۸ صفحے قیمت ۴ر پتہ: اردو بک ڈپو، مراد آباد

غالب کا روزنامچہ غدر، مرزا غالب نے غدر کے حالات مین فارسی کا ایک مختصر رسالہ دستنبو لکھا تھا، جناب خواجہ حسن نظامی صاحب نے اپنی تاریخ غدر کے سلسلہ مین غالب کے اس رسالہ کا اردو ترجمہ شائع کیا ہی، اسی کے ساتھ غالب کے خطوط اور مکتوبات مین غدر کے واقعات اور دلی کے انقلابات پر جو جستہ جستہ فقرے مذکور ہین، ان کو یکجا کر دیا ہی، غالب اس حادثہ کے چشمدید گواہ تھے اس لئے ان کے خطوط کے یہ ضمنی فقرے بھی درد و تاثیر مین ڈوبے ہوے ہین، ضخامت ۸۰ صفحات، قیمت مجلد عہ، غیر مجلد ۱۲ار پتہ: خواجہ ڈپو دھلی،

مثنوی اسرار مستی، جناب سید ضامن حسین صاحب گویا جہان آبادی نے توحید کے متعلق چند صوفیانہ مسائل پر یہ مثنوی لکھی ہی جس مین فلسفہ و تصوف کے نازک اور دقیق مسائل کو شاعرانہ طرز و انداز مین ادا کیا ہی، با این ہمہ زبان نہایت صاف اور سلجھی ہوئی ہی، مثنوی کی بحر چھوٹی اور روان ہی، ۴۸ صفحات، چھوٹی تقطیع قیمت چار پانچ آنے ہوگی، پتہ: مصنف سے احمد زئی، پیلی بھیت سے طلب کیجئے

حدائق الصحتہ، زبدۃ الحکما، ڈاکٹر محمد افضل صاحب لاہور، نے یہ کتاب ہومیاپیتھک دواؤن کے بنانے کے اصول پر لکھی ہی، اردو مین اس طریقہ علاج پر متعدد کتابین لکھی گئی ہین لیکن جہان تک ہمین معلوم ہو ہومیاپیتھی کے علم الادویہ پر کوئی کتاب نہین لکھی گئی ہی، اس لئے ڈاکٹر صاحب کی یہ کوشش ہماری زبان مین ایک نئے باب کا اضافہ ہی، طرز ادا، ترتیب، لکھائی چھپائی سب قابل تعریف ہین، ضخامت ۱۳۲ صفحات، قیمت عہ، پتہ: مرغوب بک ایجنسی لاہور،

مجلد یازدہم | ماہ رجب سنہ ۱۳۴۱ھ مطابق ماہ فروری سنہ ۲۳ء | عدد دوم

مضامین